ماہنامہ
جہدِ حق

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

HRCP

Monthly JUHD-E-HAQ - March-2020 - Registered No. CPL-13

(قیمت 10 روپے)

جلد نمبر 27......شمارہ نمبر 03 ...... مارچ 2020

انسانی حقوق کے دفاع کاروں کے لیے عاصمہ جہانگیر ایوارڈ کا اجراء

انسانی حقوق کے عالمی دن

مارچ

یکم مارچ	امتیاز کے خاتمے کا دن (یواین ایڈز)
3مارچ	جنگلی حیات کا عالمی دن
8مارچ	خواتین کا عالمی دن
20مارچ	خوشی کا عالمی دن
21مارچ	نسلی امتیاز کے خاتمے کا عالمی دن
21مارچ	شاعری کا عالمی دن (یونیسکو)
21مارچ	نوروز کا عالمی دن
21مارچ	پیدائشی ذہنی معذوری کا عالمی دن
21مارچ	جنگلات اور درخت کا عالمی دن
22مارچ	پانی کا عالمی دن
23مارچ	موسمیات کا عالمی دن (ڈبلیوایم او)
24مارچ	تپ دق کا عالمی دن
24مارچ	انسانی حقوق کی کھلی خلاف ورزیوں سے متعلق حقائق کو جاننے کے حق اور متاثرین کی عزت نفس کا عالمی دن
25مارچ	غلامی اور غلاموں کی سمندر پار تجارت کے متاثرین کی یاد منانے کا عالمی دن
25مارچ	عملے کے زیر حراست اور لاپتہ اراکین سے اظہار یکجہتی کا عالمی دن

فہرست

پریس ریلیزیں 03
انسانی حقوق کے لیے عاصمہ جہانگیر
کی جدوجہد کو فراموش نہیں کیا جاسکتا 05
رخصت کو دو برس گزر گئے 06
ہمیں صرف آنسو نہیں بہانے 07
میرا جسم میری مرضی، عورت مارچ کے لیے نعرے،
بینر اور پوسٹر تخلیق کرنے والی خواتین پر کیا گزاری؟08
برابری کا ساتھ 10
عورتوں کے خلاف ہر قسم کے امتیازات
کے خاتمے کا معاہدہ 11
بلوچستان کے پامال ہوتے حقوق:
یہ 8 دہائیوں کا قصہ ہے دو چار برس کی بات نہیں 18
بہت بڑی تکلیف 19
اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کی حکومت پاکستان
کو کارآمد نصیحت 20
درخواست بنام 21
پی ٹی ایم مظاہرین کے خلاف بغاوت
کا مقدمہ درج کرنے پر جواب طلب 21
مہک کماری عرف علیزہ کو عدالت نے
تحفظ اطفال یونٹ بھیج دیا 22
فلاحی مرکز میں لڑکی کی پراسرار موت،
تحقیقات کا مطالبہ 22

عوام کے انسانی حقوق پر سمجھوتہ نہیں ہونا چاہیے

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) کے اعزازی ترجمان آئی اے رحمان نے پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) کے اہتمام کردہ پہلا عاصمہ جہانگیر میموریل لیکچر دیتے ہوئے کہا کہ عاصمہ 'دانشمندی اور دردمندی کی آواز' تھیں۔

غیر محفوظ اور پسے ہوئے طبقوں کی ہمدرد محترمہ جہانگیر کو یاد کرتے ہوئے، محترم رحمان نے لوگوں کے 'معاشی انصاف' کے بنیادی حق پر بات کی۔ جبری مزدوروں، چھوٹے کسانوں سے لے کر لیڈی ہیلتھ ورکرز اور صحافیوں کی مثالیں دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ لوگوں کے معاشی حقوق: حق روزگار، اور کام کے منصفانہ اور مساوی حالات کو 'وسائل کی دستیابی' کے تابع نہیں کرنا چاہیے۔

محترم رحمان نے کہا کہ اگرچہ دستور عوام کے حقوق اور معاشی بہبود کو تحفظ فراہم کرتا ہے مگر یہ انتہائی ضروری ہے کہ ان حقوق کی 'روح' کو محفوظ کیا جائے، انہیں عوام کی دسترس میں لایا جائے اور ان کے 'بتدریج اضافے' کو یقینی بنایا جائے۔ انہوں نے مزید کہا، وزیراعظم نے حال ہی میں کہا ہے کہ غریب کی دست گیری سے زیادہ کچھ بھی اہم نہیں ہے: اس لیے معاشی انصاف کو قومی سلامتی کی قربان گاہ پر قربان نہ کیا جائے۔ انہوں نے سامعین سے مخاطب ہوئے کہا کہ معاشی انصاف پاکستان کے تمام شہریوں کا بنیادی حق ہے، اور یہ کہ عاصمہ جہانگیر اس طرح کی صورتحال میں خاموش نہ رہتیں۔ ان کا کہنا تھا، ہم سب کا فرض ہے کہ ہم ایک ہوں اور مطالبہ کریں کہ ان حقوق اور دیگر تمام بنیادی حقوق کو تحفظ اور فروغ دیا جائے۔

ایچ آر سی پی کے سیکریٹری جنرل حارث خلیق نے اعلان کیا کہ کمیشن انسانی حقوق کے دفاع کاروں کے لیے عاصمہ جہانگیر ایوارڈ کی بنیاد رکھ رہا ہے، اور صحافت میں بہادری کے لیے نثار عثمانی ایوارڈ اور انسانی حقوق میں تحقیق کے لیے آئی اے رحمان گرانٹ کو دوبارہ سے شروع کر رہا ہے۔

لیکچر جس کے اختتام پر سوال وجواب کی نشست ہوئی، میں بہت بڑی تعداد میں لوگ شریک تھے جن میں ایچ آر سی پی کے اراکین، سول سوسائٹی کے کارکنان، وکیلوں، صحافیوں اور سیاسی ورکر شامل تھے۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 11 فروری 2020]

ایچ آر سی پی کے کنونشن میں کسانوں نے معاشی حقوق کے تحفظ کا مطالبہ کیا

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) کے زیراہتمام سندھ ہاری ومزدور کنونشن میں 1200 سے زائد کسان، مزدور، گھریلو مزدور، صفائی ستھرائی پر مامور مزدور اور انسانی حقوق کے دفاع کار مجتمع ہوئے۔ مزدوروں کے حقوق کے کارکنوں جن میں حیدرآباد کے نزدیک مزدور کیمپوں سے تعلق رکھنے والے مرد وعورتیں شامل تھیں، نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ بڑھتی ہوئی مہنگائی جس نے ان کے لیے آٹے اور چینی کا حصول ناممکن بنا دیا ہے، کا احساس کرے اور اس سے نبٹنے کے لیے مؤثر اقدامات کرے۔

مقررین میں مزدوروں کے حقوق کے کارکنان منو بھیل، راجو اور لالی، سندھ مزارعت حقوق کمیٹی کے کنویز تاج مری، سندھ ہاری کمیٹی کے نائب صدر ثمر حید جتوئی، نامور ہاری رہنما دادا علی بخش، ٹریڈ یونین لیڈر محبوب علی قریشی اور گھروں میں کر کام کرنے والے مزدوروں کی نمائندہ جمیلہ شامل تھیں۔

ایچ آر سی پی کی کونسل رکن حنا جیلانی، اعزازی ترجمان آئی اے رحمان، سندھ کے وائس چیئر اسد اقبال بٹ اور سیکریٹری جنرل حارث خلیق نے شرکاء کو یقین دلایا کہ کمیشن ملک بھر میں مزدوروں کے حقوق کے لیے آواز بلند کرتا رہے گا۔

کنونشن اس متفقہ قرارداد کے ساتھ اختتام پذیر ہوا کہ حکومت اس امر کا احساس کرے کہ بڑھتی ہوئی مہنگائی، بے روزگاری، قیمتوں میں بے تحاشا اضافے نے مزدور طبقے کو کچل کر رکھ دیا ہے۔ اسے ہنگامی صورت حال سمجھنا چاہیے: حکومت کو اپنی ناکامی کا اعتراف کر کے اپنی معاشی پالیسی میں تبدیلی لانی ہوگی۔ پاکستان کے جاگیردارانہ اور اجارہ دارانہ معاشی نظام کو عوام دوست معاشی نظام سے بدلا جائے۔

بہتر روزگار، صحت اور تعلیم آئینی حقوق ہیں جن کا ریاست کو تحفظ کرنا چاہیے۔ ہر سرکاری ونجی شعبے میں کم از کم سرکاری معاوضے کی ادائیگی ہونی چاہیے۔ اس کے علاوہ، عورتوں کو مساوی معاوضہ دیا جائے۔

سندھ ہائی کورٹ کے فیصلے کی روشنی میں، مزارعت ٹریبونل کو افسر شاہی سے لے کر عدلیہ کے حوالے کیا جائے۔ ایسے سرکاری

اہلکاروں کو سزا دی جائے جو اراضی دستاویزات کے فارم 6 میں کسانوں کے نام درج کرنے سے انکار کرتے ہیں۔

تمام کسانوں کو ان کے گھروں کے مالکانہ حقوق دیے جائیں۔ اس کے علاوہ، کسانوں اور ان کی فصلوں کا بیمہ کیا جائے تاکہ قدرتی یا آدم ساختہ آفت کی صورت میں انہیں مزید غربت بدحالی سے بچایا جائے۔

قرارداد میں یہ مطالبہ بھی کیا گیا کہ اقلیتی برادریوں کی کسان عورتوں کے مذہب کی جبری تبدیلی کے سلسلے کو روکا جائے۔

[پریس ریلیز۔لاہور۔15فروری2020]

تھرپارکر کی برادریاں اپنے حقوق کا تحفظ چاہتی ہیں

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آرسی پی) کے زیر اہتمام ایک اجلاس میں تھرپارکر کے تمام شعبہ ہائے جات سے تعلق رکھنے والے کارکنان اور پیشہ ور ماہرین نے علاقے میں انسانی حقوق کے کئی مسائل کی نشاندہی کی جن میں پینے کے صاف پانی کا فقدان، مزید ملازمتوں کی ضرورت، ماؤں اور بچوں کو غذائیت بخش خوراک کی کمی، اور مذہب کی جبری تبدیلی شامل ہیں۔

ایچ آرسی پی کے رکن اور انسانی حقوق کے معروف کارکن کرشن شرما نے اجلاس کی نظامت کے فرائض انجام دیے۔ ایچ آرسی پی کے اعزازی ترجمان آئی اے رحمان، کونسل رکن حنا جیلانی، شریک چیئر عظمیٰ نورانی اور سیکریٹری جنرل حارث خلیق نے شرکاء کو یقین دلایا کہ ایچ آرسی پی وفاقی وصوبائی سطحوں پر فیصلہ ساز اداروں اور لوگوں تک اُن کے مسائل پہنچاتا رہے گا۔ ایچ آرسی پی برادریوں کے بتائے گئے مسائل پر فیکٹ فائنڈنگ مشن بھی بھیجے گا۔

ایک انتہائی پریشانی کا مسئلہ صاف پانی تک رسائی کا نہ ہونا ہے۔ ایک فرد نے کہا کہ واٹر اینڈ پاور ڈیولپمنٹ اتھارٹی (واپڈا) نے مختلف مقامات کو صاف پانی کا منصوبہ تو منظور کیا ہے مگر حکومت نے اُسے عملی جامہ نہیں پہنایا۔ شرکاء کا کہنا تھا کہ تھرکول اور ترقیاتی منصوبوں میں مقامی باشندوں کو اور ملازمتیں ملنی چاہییں، اور یہ کام کرتے ہوئے خیال رکھا جائے کہ کوئلے کے استعمال سے ماحول پر اثرات کو کم کیا جا سکے۔ ایک شریک مجلس کا الزام تھا کہ آر او پر پانی کی فراہمی پر مامور عملے کو چھ ماہ سے تنخواہ نہیں ملی۔ اس کے علاوہ، انہیں سرکار کی طرف سے معین کردہ کم از کم تنخواہ سے بھی کم تنخواہ دی جاتی ہے۔

کئی شرکاء کا خیال تھا کہ دوردراز بسنے والی مقامی برادریوں کو صحت کی سہولیات پر دسترس نہیں ہوتی کیونکہ وہ بکھرے ہوئے ہیں اور لوگ ہنگامی صورتحال میں قریب ترین ہسپتالوں تک نہیں پہنچ پاتے۔ غذا کی کمی بھی ثقافتی رکاوٹوں کے ساتھ جڑی ہوئی ہے، جیسے کہ کم عمری کی شادی، پیدائش کے دوران مناسب وقفے کا نہ ہونا اور عورتوں کو مناسب خوراک کا نہ مل سکنا۔ خودکشی کی شرح، خاص کر عورتوں میں، علاقے میں ذہنی صحت کی سہولیات کی عدم دستیابی کے ساتھ منسلک ہے۔

بھیل اور کولہی برادریوں کے نمائندوں نے کہا کہ وہ پریشان ہیں کہ بالائی ذات کے سیاسی رہنماء اُن کی مؤثر سیاسی نمائندگی نہیں کر رہے۔ اجلاس میں شریک عورتوں کا یہ بھی کہنا تھا کہ ایسی اقلیتی عورتوں کی گزر بسر کے لیے اُن کی امداد کا کوئی نظام وضع ہونا چاہیے جنہیں اسلام قبول کرنے اور مسلم مردوں سے شادی کرنے پر طلاق ہو جاتی ہے کیونکہ انہیں اکثر اپنی برادریوں کی طرف سے ہی ٹھکرا دیا جاتا ہے۔

[پریس ریلیز۔لاہور۔16فروری2020]

حکومت سندھ کے پسے ہوئے طبقوں کو تحفظ فراہم کرے

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آرسی پی) نے وفاقی وصوبائی حکومتوں سے مطالبہ کیا ہے کہ سندھ میں کسانوں، مزدوروں، عورتوں اور مذہبی اقلیتوں کو تحفظ فراہم کیا جائے۔ حیدرآباد میں ہاری ومزدور کنونشن اور مٹھی میں انسانی حقوق کے دفاع کاروں اور پیشہ ور ماہرین سے ملنے کے بعد، ایچ آرسی پی کو یہ جان کر شدید تشویش ہوئی کہ پسماندہ اور مفلوک الحال طبقوں کو مہنگائی اور بے روزگاری کا عذاب جھیل رہے ہیں اور ان پر پڑنے والے منفی اثرات کو کم کرنے کے لیے کسی قسم کے حفاظتی اقدامات کا نظام بھی موجود نہیں ہے۔

سندھ کے لیے ایچ آرسی پی کے حالیہ مشن میں اعزازی ترجمان آئی اے رحمان، کونسل اراکین اور عہدیداران حنا جیلانی، اسد اقبال بٹ اور عظمیٰ نورانی، ڈائریکٹر فرح ضیاء اور حارث خلیق شامل ہیں۔

مختلف شعبہ ہائے جات سے تعلق رکھنے والے لوگوں نے ترقیاتی منصوبوں میں مقامی لوگوں کو مزید ملازمتوں کی ضرورت، کام کے سازگار حالات، صحت کی سہولیات تک بہتر رسائی، مذہب کی جبری تبدیلی، صاف پانی کے پائیدار ذرائع کا بندوبست، خاص کر تھر جیسے دوردراز سوکھے علاقوں میں بسنے والی برادریوں کے لیے، جیسے معاملات سے مشن کو آگاہ کیا۔ سرکاری و نجی، دونوں شعبوں کو چاہیے کہ وہ اپنے مزدوروں _ مردوں وعورتوں، دونوں کو کم از کم سرکاری معاوضہ ضرور دیں اور تنخواہوں کی ادائیگی بروقت کیا کریں۔

چونکہ مزدور طبقے اور مذہبی اقلیتوں میں عورتوں اور بچوں کا تعلق سب سے زیادہ پسے ہوئے طبقوں سے ہے اس لیے ایچ آرسی پی کا حکومت سے پُرزور مطالبہ ہے کہ تمام پالیسی ساز معاملات طے کرتے وقت اُن کی ضروریات کو فوقیت دی جائے۔

[پریس ریلیز۔لاہور۔17فروری2020]

سوشل میڈیا ضوابط سیاسی اختلاف رائے کا گلا گھونٹ دیں گے

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آرسی پی) کو شدید تشویش ہے کہ وفاقی حکومت نے سوشل میڈیا کے ذرائع کو ضبط کرنے کے لیے کئی ضوابط منظور کیے ہیں۔ یہ اقدام جو سول سوسائٹی کے اداروں کی مشاورت کے بغیر کیا گیا ہے، مکمل طور پر ناجائز ہے۔

حکومت کا تو کہنا ہے کہ ان قواعد کا مقصد 'غیر قانونی' آن لائن مواد کو روکنا ہے، ایچ آرسی پی کو خدشہ ہے کہ ان سے مجاز حکام کو مذہبی، ثقافتی، لسانی اور قومی سلامتی حساس معاملات کے بہانے اظہار اور رائے کی آزادی کو قابو میں لانے کا موقع ملے گا۔ ایسے وسیع اقدامات ایسے آن لائن مواد کو ہٹانے کا جواز فراہم کریں گے جو ریاستی پالیسیوں کے ناقد ہیں یا ان اینکرپٹڈ معلومات تک رسائی دیں گے جس سے عام صارف کی ذاتی معلومات محفوظ نہیں رہیں گی۔ نشانہ بننے والوں میں سیاسی اختلاف رائے سرفہرست ہوگی۔

ایسے حالات میں جبکہ پرنٹ والیکٹرانک ذرائع ابلاغ پہلے ہی مکمل سنسرشپ کی لپیٹ میں ہیں، ایسے سخت ضوابط کا اطلاق شہریوں سے وہ جگہ بھی لے لے گا جو انہیں ایسی معلومات لینے کے لیے میسر ہے جو مرکزی ذرائع ابلاغ نہیں دیتے یا نہیں دے سکتے۔ ایچ آرسی پی پاکستان فیڈرل یونین آف جرنلسٹس کے بیان کی حمایت کرتا ہے جس میں اس اقدام پر تنقید کی گئی اور حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اپنے اس فیصلے پر نظرثانی کرے۔

[پریس ریلیز۔لاہور۔14فروری2020]

انسانی حقوق کے لیے عاصمہ جہانگیر کی جدوجہد کو فراموش نہیں کیا جاسکتا

اسلام آباد (نمائندہ جنگ) ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کے سیکرٹری جنرل حارث خلیق نے انسانی حقوق کے محافظوں کے لئے عاصمہ جہانگیر ایوارڈ کا اعلان کرتے ہوئے کہا ہے کہ کمیشن صحافت میں جرات مندی کی حوصلہ افزائی کے لئے نثار عثمانی ایوارڈ اور ہیومن رائٹس میں آئی اے رحمٰن ریسرچ گرانٹ دوبارہ شروع کر رہا ہے۔ یہ اعلان انہوں نے انسانی حقوق کمیشن آف پاکستان کے زیر اہتمام پہلے عاصمہ جہانگیر میموریل لیکچر کے دوران کیا۔ اس موقع پر ایچ آر سی پی کے اعزازی ترجمان آئی اے رحمٰن نے کمزور اور پسماندہ لوگوں کے ساتھ محترمہ عاصمہ جہانگیر کی انسانی حقوق کی لازوال خدمات پر روشنی ڈالی۔ آئی اے رحمان نے پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) کے اہتمام کردہ پہلا عاصمہ جہانگیر میموریل لیکچر دیتے ہوئے کہا کہ عاصمہ جہانگیر دانشمندی اور دردمندی کی آواز تھیں۔

غیر محفوظ اور پسے ہوئے طبقوں کی ہمدرد محترمہ جہانگیر کو یاد کرتے ہوئے محترم رحمان نے لوگوں کے 'معاشی انصاف' کے بنیادی حق پر بات کی۔ جبری مزدوروں، چھوٹے کسانوں سے لے کر لیڈی ہیلتھ ورکرز اور صحافیوں کی مثالیں دیتےہوئے انہوں نے کہا کہ لوگوں کے معاشی حقوق: حق روزگار، اور کام کے منصفانہ اور مساوی حالات کو 'وسائل کی دستیابی' کے تابع نہیں کرنا چاہیے۔

محترم رحمان نے کہا کہ اگرچہ دستور عوام کے حقوق اور معاشی بہبود کو تحفظ فراہم کرتا ہے مگر یہ انتہائی ضروری ہے کہ ان حقوق کی 'روح' کو محفوظ کیا جائے، انہیں عوام کی دسترس میں لایا جائے اور ان کے 'بتدریج اضافے' کو یقینی بنایا جائے۔ انہوں نے مزید کہا، وزیراعظم نے حال ہی میں کہا ہے کہ غریب کی دست گیری سے زیادہ کچھ بھی اہم نہیں ہے: اس لیے معاشی انصاف کو قومی سلامتی کی قربان گاہ پر قربان نہ کیا جائے۔ انہوں نے سامعین سے مخاطب ہوئے کہا کہ معاشی انصاف پاکستان کے تمام شہریوں کا بنیادی حق ہے، اور یہ کہ عاصمہ جہانگیر اس طرح کی صورتحال میں خاموش نہ رہتیں۔ ان کا کہنا تھا، ہم سب کا فرض ہے کہ ہم ایک ہوں اور مطالبہ کریں کہ ان حقوق اور دیگر تمام بنیادی حقوق کو تحفظ اور فروغ دیا جائے۔

جبری مزدوروں، چھوٹے کسانوں سے لے کر لیڈی ہیلتھ ورکرز اور صحافیوں کی مثالیں دیتےہوئے انہوں نے کہا کہ لوگوں کے معاشی حقوق: حق روزگار، اور کام کے منصفانہ اور مساوی حالات کو 'وسائل کی دستیابی' کے تابع نہیں کرنا چاہیے۔

لیکچر جس کے اختتام پر سوال و جواب کی نشست ہوئی، میں بہت بڑی تعداد میں لوگ شریک تھے جن میں ایچ آر سی پی کے اراکین، سول سوسائٹی کے کارکنان، وکیلوں، صحافیوں اور سیاسی ورکر شامل تھے۔

جہد حق پڑھنے والے توجہ کریں

- آپ نے اس شمارہ کا مطالعہ کیا۔
جوخامیاں/ کمزوریاں آپ کو نظر آئی ہوں۔ ان کی نشاندہی خط کے ذریعے سے کیجئے۔
- آپ بھی اپنے علاقے میں ہونے والی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی رپورٹ/اطلاع ہمیں اس رسالہ میں چھپنے والا رپورٹ فارم پُر کر کے بذریعہ ڈاک روانہ کرسکتے ہیں۔ حقائق اچھی طرح سے تصدیق کر کے لکھیں۔

HRCP کارکن متوجہ ہوں

"''جہد حق'' کے لیے رپورٹ فارم کے مطابق کوائف پر مبنی رپورٹیں، خبریں، تصاویر یا اورانسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے متعلق دیگر مواد مہینے کے تیسرے ہفتہ تک پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے مرکزی دفتر میں پہنچ جانا چاہیے تاکہ یہ اگلے شمارے میں شائع کیا جاسکے۔

جہد حق کا تازہ شمارہ اور پچھلے شمارے نیچے دی گئی ویب سائٹ پر موجود ہیں

www.hrcp-web.org

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

''ایوان جمہور'' 107 - ٹیپو بلاک،

نیوگارڈن ٹاؤن، لاہور

رُخصت کو دو برس گُزر گئے

زاہدہ حنا

یہ دس برس پرانی بات ہے جب کسی پاکستانی عورت نے سپریم کورٹ بار کی صدارت کا انتخاب جیتا تھا۔ یہ عاصمہ جہانگیر تھی۔ وہ عورت جس نے زندگی کی آخری سانس تک پاکستان میں اقلیتوں، عورتوں، بھٹہ مزدوروں اور کچلے ہوئے طبقات کا مقدمہ لڑا۔ ہاتھ سے ٹیلی فون کا ریسیور گرا اور پاکستان میں انسانی حقوق کے لیے بے جگری سے لڑنے والی عورت زیرلب شاید یہ مصرعہ پڑھتے ہوئے سوگئی کہ:

''رات بہت تھے جاگے،صبح ہوئی آرام کیا''

یہ خبر مجھے دبئی میں کامران عباس نے دی تھی، جس پر میں نے یقین نہیں کیا تھا لیکن یقین کرلینے کے سوا چارہ ہی کیا تھا۔

اس وقت مجھے دس برس پرانی اپنی ایک تحریر یاد آرہی ہے جو میں نے سپریم کورٹ بار ایسوسی ایشن کا صدر منتخب ہونے کے بعد لکھی تھی۔اس ملک میں جہاں لڑکیوں کے اسکول جلائے جاتے ہوں، جہاں کے آئین سے آج تک جنرل ضیاء الحق کے سیاہ قوانین قلم زد نہ کیے جاسکے ہوں، جہاں عورتوں کے لیے قدم قدم پر رکاوٹیں ہوں، وہاں عاصمہ کی یہ کامیابی صرف پاکستانی عورتوں کی ہی نہیں، ان تمام جمہوریت پسند اور کشادہ دل مردوں کی بھی کامیابی تھی جو انسانوں کو ذہانت، حوصلہ مندی اور جرأت اظہار کے ترازو میں تولتے ہیں،صنفی حوالوں سے نہیں دیکھتے۔

عاصمہ کے والد ملک غلام جیلانی یاد آئے جو اپنے عہد کے اہم سیاستدانوں میں تھے۔جنھوں نے اہم سرکاری ملازمت سے اس لیے استعفیٰ دیا کہ وہ اس ملک کے لیے کچھ کرنا چاہتے تھے جو ایوب خان کی فوجی حکومت کے چنگل میں پھڑ پھڑا رہا تھا۔مغربی پاکستان میں عوامی لیگ کے سیکریٹری اور مشرقی پاکستان پر گزرنیوالی قیامت کے خلاف آواز بلند کرنیوالے مٹھی بھر سیاستدانوں میں سے ایک۔صاحب ثروت لیکن جیل جانے کا ایسا شوق کہ ایوب' یحییٰ' ضیاء' بھٹو سب ہی کی حکومتوں میں جیل جاتے رہے یا گھر پر نظر بند رہے۔

صبیحہ صلاح الدین نے اپنے والد کو زمین بیچ کر ادب کی خدمت کرتے دیکھا تھا۔ بیاہ کر ایک رئیس گھرانے میں آئیں تو یہ دیکھا کہ میاں زمین بیچ کر سیاست کرتے ہیں۔جیلانی صاحب کو سزا دینے کے لیے زمینیں بہ حق سرکار ضبط ہوئیں، گھوڑوں کے دربہ در ہونے کی نوبت آئی۔روٹی کہاں سے کھائی جاتی کہ ملک غلام جیلانی جیل کی سلاخوں کے پیچھے سے تو وکالت کر نہیں سکتے تھے۔بہ قول عاصمہ''گھوڑوں کو ریس کورس بھیج دیا گیا۔گھوڑے جیت جاتے تو ہماری عید ہوجاتی۔ہارتے تو سارا معاملہ گڑبڑ ہوجاتا۔''

عاصمہ اور حنا دونوں اسکول کے مرحلوں سے گزر کر کنیرڈ کالج پہنچیں تو عاصمہ اپنے والد کے مقدموں اور سیاسی سرگرمیوں میں ان کی سیکریٹری ہوگئی جسے تنخواہ نہیں ملتی تھی لیکن جو قانون اور سیاست کے منجھے ہوئے دانشور باپ کی نگرانی میں مستقبل کی تربیت حاصل کررہی تھی۔جی داری، بے دھڑک بات کہہ دینے کا رویہ اور حق بات پر جم جانے کا جذبہ اس کے خون میں گردش کرتا تھا۔اس نے ہوش سنبھالا تو جنرل ایوب کا مارشل لاء دیکھا جس کے خلاف اس کے نانا مولانا صلاح الدین مرحوم کھل کر بولتے تھے۔پھر یہ دیکھا کہ ایک کے بعد ایک مارشل لاء آتا رہا اور ملک سے قانون کی حکمرانی رخصت ہوتی گئی۔انصاف کو گہرا دفن کیا گیا۔آزادی اظہار کا گلا گھونٹا گیا۔خاموش رہ کر زندگی گزارنا اور اچھے منصب پر فائز ہونا آسان ہوتا گیا اور ظلم و ناانصافی کے خلاف لکھ کر اور بول کر جیل جانا، ذریعہ روزگار سے محروم کردیا جانا''غداروں'' اور''وطن فروشوں'' کی فہرست میں نام لکھوانا اور اگر اس سے بھی کام نہ چلے تو قتل ہوجانا بھی آسان ہوتا گیا۔

> عاصمہ نے اپنے والد ملک جیلانی کی زندگی میں اور اس کے بعد سے دہائیوں تک ایک بہت مشکل اور بہت شاندار زندگی گزاری۔

عاصمہ نے اپنے والد ملک جیلانی کی زندگی میں اور اس کے بعد سے دہائیوں تک ایک بہت مشکل اور بہت شاندار زندگی گزاری۔ یہ زندگی اس کے لیے بہت مشکل ہوتی اگر اس کی باہمت والدہ، قانون داں اور دانشور بہن حنا، بعد میں اس کے شوہر جہانگیر اور حقوق انسانی کے علمبردار آئی اے رحمان اس کی پشت پر نہ ہوتے۔اس کی قانون داں دوستوں کا وہ حلقہ نہ ہوتا جس نے'اے جی ایچ ایس(عاصمہ، گل رخ، حنا، شہلا) لیگل ایڈ آفس قائم کیا۔بے آسرا عورتوں، مردوں اور بچوں کے مقدمے لڑے۔بھٹہ مزدوروں کے حقوق کے لیے اور توہین رسالت کا نام لے کر ذاتی بغض وعناد کا نشانہ بننے والے عیسائیوں، ہندوؤں اور پاکستان کی دوسری اقلیتوں کو انصاف دلانے کے لیے جان کی بازی لگائی۔قانون شہادت کی مار سہنے والی بے گناہ لڑکیوں اور عورتوں کی دست گیری کی۔وہ ویمنز ایکشن فورم کی بنیاد گزاروں میں سے ایک تھی اور ایچ آر سی پی کا قیام بھی اسی کا کارنامہ تھا۔

عاصمہ ایک خوشحال گھرانے کی بیٹی تھی۔کھلنڈری اور حاضر جواب۔اس کے والد ملک غلام جیلانی پاکستان سول سروس سے وابستہ تھے لیکن ان کا دل عوام کے لیے دھڑکتا تھا۔یہی وجہ تھی کہ ریٹائر ہوتے ہی انھوں نے سیاست اختیار کی۔یہ وہ زمانہ تھا جب سابق مشرقی پاکستان میں خون کی ندیاں بہہ رہی تھیں۔انھوں نے حکمرانوں کی مخالفت کی لیکن کوئی ان کے ساتھ نہ تھا۔وہ حکمرانوں کے خلاف پلے کارڈ اٹھا کر لاہور کی ایک مصروف شاہراہ پر تن تنہا کھڑے ہوگئے۔سابق مشرقی پاکستان میں حقوق انسانی کی خلاف ورزیوں کے خلاف حکمران ملک غلام جیلانی کی بات سننے کے لیے تیار نہیں تھے۔وہ غدار کہے گئے اور جیل بھیج دیے گئے جہاں انھوں نے کئی برس گزارے۔1967 میں سزا کے طور پر ان کی زمینیں بہ حق سرکار ضبط کرلی گئیں۔ان کی بیوی صبیحہ غلام جیلانی ان خواتین میں سے تھیں جنھوں نے اس دور میں جدید تعلیم حاصل کی جب لڑکوں کے لیے بھی اسے کچھ زیادہ ضروری نہیں خیال کیا جاتا تھا۔وہ اردو کے ممتاز ادیب اور ادیب گر مولانا صلاح الدین احمد کی بیٹی تھیں۔یہ وہی صلاح الدین احمد ہیں جن کا ادبی مجلّہ''اردو دنیا'' لاہور سے نکلتا تھا۔ڈھائی تین سو صفحوں کا اعلیٰ ادبی پرچا جس کی قیمت صرف ایک روپیہ ہوتی تھی۔

22 دسمبر 1971 کو یحییٰ حکومت نے عاصمہ کے والد ملک غلام جیلانی کو مارشل لا کے قانون کے تحت گرفتار کرکے ملتان بھیج دیا۔ان کا مقدمہ بیرسٹر منظور قادر نے لڑا جسکے دوران عاصمہ ہر قدم پر کمرۂ عدالت میں ان کے ساتھ رہی۔یہ وہ دن تھے جب عاصمہ نے حقوق انسانی کی جدوجہد کا اولین سبق لیا۔عاصمہ نے ان دنوں کے بارے میں باتیں کرتے ہوئے کہا تھا کہ ہمارے گھر میں ہر وقت بنیادی حقوق اور بالغ حق رائے دہی کے بارے میں باتیں ہوتی تھیں، اس وقت ہم بچے تھے۔میں نہیں جانتی تھی کہ بالغ حق رائے دہی کس چڑیا کا نام ہے۔میں تو صرف یہ جانتی تھی کہ میرے والد اس کے لیے لڑ رہے ہیں۔امی کو سیاست سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ابا جب گرفتار ہوتے اور جیل جاتے تو وہ کار بیچ دیتیں اور ہم لوگ تانگے میں سفر شروع کردیتے۔ہمارا گھر کرائے پر چڑھا دیا جاتا اور ہم نانا (مولانا صلاح الدین) کے گھر چلے جاتے جہاں ہم ڈریسنگ روم میں رہتے۔عاصمہ نے اس نوجوان سے دھواں دھار عشق کیا جس کے گھر کی دیوار اس کے گھر سے ملی ہوئی تھی، عشق کامیاب ہوا۔اور وہ سسرال اور میکے کا لطف اکٹھے اٹھاتی رہی۔تین بچوں کی ماں بنی لیکن عوام سے اور غریب طبقات سے ان کا رشتہ کبھی نہیں ٹوٹا۔1983 میں ضیاء الحق کے دور میں اسے جیل ہوئی۔2007 میں وہ گھر میں نظر بند بھی کی گئی۔

اس کا کہنا تھا کہ انصاف ہمارے یہاں ایک نادرو نایاب شے ہے۔اس نے ججوں کی بحالی کی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔موت سے چند دن پہلے سپریم کورٹ میں اس کے دلائل کی گونج ہر طرف سنائی دی۔1983 میں ویمن ایکشن فورم کی تشکیل میں اس کا بنیادی کردار تھا۔شہلا ضیا، نگار احمد، روبینہ سہگل، نیلم حسین، فریدہ شہید، لالہ رخ، نگہت خان اور دوسری خواتین کے ساتھ مل کر اس نے جنرل ضیاء کے بنائے ہوئے سیاہ قوانین کے خلاف جم کر لڑائی لڑی۔

عاصمہ تین بچوں کی ماں تھی۔اس نے ایک انٹرویو دیتے ہوئے کہا تھا''جیل میں شب و روز گزارنے کے لیے لازم ہے کہ خود پر ترس نہ کھایا جائے اور سب سے اہم یہ بات ہے کہ کبھی اپنے بچوں کے بارے میں نہ سوچو۔یہ فرض کرو کہ جیسے وہ موجود ہی نہیں ہیں۔یہ وہ باتیں ہیں جو پاکستان جیسے ملک میں سیاست میں سرگرم رہنے کے لیے جاننی اور سیکھنی چاہئیں۔'' یہ جملہ کہنے کے لیے کس جگر کی ضرورت ہے اسے کوئی ایسی ماں ہی سمجھ سکتی ہے۔جس کے دل میں دوسرے بچوں کا درد بھی ہو اور جوان بچوں کے لیے اپنے بچوں کو داؤ پر لگا رہی ہو۔

یقین نہیں آتا کہ اس کی رخصت کو دو برس گزر گئے ہیں۔اس کا جنازہ نگاہوں میں ہے۔اسے آخری سفر پر روانہ کرتی، اس کے جنازے کو کندھا دیتی ہوئی عورتیں اور مرد، ایک ایسا منظر جو چشم فلک نے پہلے نہیں دیکھا تھا، لیکن فلک کج رفتار نے ہماری زمین پر پہلے کب ایسی عورت دیکھی تھی جس نے حقوق کی لڑائی کا سفر کم عمری سے شروع کیا اور آخری سانس تک لڑتی رہی۔ (بشکریہ ایکسپریس اردو)

ہمیں صرف آنسو نہیں بہانے

حامد میر

وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا۔ عاصمہ جہانگیر کو یہ دنیا چھوڑے دو سال گزر بھی گئے۔ گیارہ فروری کو اُن کی دوسری برسی پر ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان نے اسلام آباد میں عاصمہ جہانگیر میموریل لیکچر کا اہتمام کیا اور اس لیکچر میں آئی اے رحمان صاحب نے آج کے پاکستان میں انسانی حقوق کی صورتحال پر روشنی ڈالی۔

وہ بتا رہے تھے کہ ایک طرف پاکستان میں بیروزگاری بڑھ رہی ہے اور دوسری طرف جن کے پاس روزگار ہے اُنہیں تنخواہ نہیں ملتی۔

اُنہوں نے خبردار کیا کہ آزادیٔ اظہار پر مزید پابندیاں لگنے والی ہیں لہٰذا انسانی حقوق کی تنظیموں کو صحافیوں، وکلا اور سیاسی جماعتوں کے ساتھ اشتراکِ عمل بڑھانے کی ضرورت ہے۔

سوالات شروع ہوئے تو ماحول دکھ اور تکلیف میں ڈوب گیا۔ پاکستان کے مختلف علاقوں سے آئے ہوئے انسانی حقوق کے کارکن اپنے سوالات میں اپنی اپنی بےبسی کی کہانیاں بیان کرنے لگے اور میں یہ سوچنے لگا کہ جو ریاست اپنے ہی لوگوں کے انسانی حقوق پامال کرتی ہے وہ کسی دوسری ریاست پر انسانی حقوق کی پامالیوں کا الزام لگانے میں کتنی حق بجانب ہے؟

پاکستان کو اگر کسی دوسری ریاست کے ظلم کے خلاف موثر آواز بننا ہے تو سب سے پہلے پاکستان کو ایسی ریاست بنانا ہے جہاں آزادیٔ اظہار پر پابندیاں نہ ہوں، ہزاروں افراد لاپتا نہ ہوں، سیاسی اختلاف کرنے والوں پر بغاوت کے مقدمے نہ بنتے ہوں اور سوشل میڈیا پر تنقید کرنے والوں کو ریاستی ادارے دھمکیاں نہ دیں۔

آئی اے رحمان صاحب کا لیکچر ختم ہو گیا تو چند نوجوان وکلا میرے پاس آئے۔ ایک نوجوان وکیل نے بتایا کہ وہ آن لائن ہراسمنٹ پر ریسرچ کر رہا ہے اور کچھ سوالات کرنا چاہتا ہے۔ میرے پاس وقت نہیں تھا لیکن اُس نے صرف چند منٹ مانگے۔ ہم ایک کونے میں چلے گئے۔

میں نے کہا پلیز جلدی فارغ کر دینا۔ اُس نے کہا صرف تین سوال پوچھنے ہیں۔

پہلا سوال یہ تھا کہ سوشل میڈیا پر تواتر کے ساتھ آپ پر الزام لگایا جاتا ہے کہ آپ نے ممبئی حملوں کے ملزم اجمل قصاب کے گاؤں میں جا کر پروگرام کیا اور جیو نیوز پر آپ نے اُسے پاکستانی ثابت کیا ہم نے آپ کا وہ پروگرام بہت ڈھونڈا لیکن نہیں ملا اگر حکومتِ پاکستان نے اُسے پاکستانی تسلیم کیا تو آپ پر اعتراض کیوں ہے؟

میں نے جواب دیا کہ مجھے نہیں پتا اجمل قصاب کا گاؤں کدھر ہے، نہ میں کبھی وہاں گیا، نہ وہاں پروگرام کیا۔ دوسرا سوال یہ تھا کہ پرویز مشرف نے ایک ٹی وی انٹرویو میں دعویٰ کیا کہ 2007 میں آپ نے لال مسجد میں آپریشن کرایا تھا اور جب مشرف نے یہ بات کی تو اُن کے سامنے بیٹھے ہوئے اینکر صاحب نے تائید میں سر ہلایا۔

ہم نے اُس اینکر سے پوچھا کہ حامد میر نے کب اور کہاں مشرف کو لال مسجد پر حملے کے لئے اُکسایا تو اُس اینکر نے کہا کہ پتا نہیں۔ ہمیں بھی کوئی ثبوت نہیں ملا تو مشرف نے یہ الزام کیوں لگایا؟

میں نے بتایا کہ آپ چوہدری شجاعت حسین کی کتاب ''سچ تو یہ ہے'' پڑھ لیں اُنہوں نے لکھا ہے کہ جب وہ مذاکرات کے ذریعہ لال مسجد کا معاملہ حل کرنے کی کوشش میں تھے تو حامد میر نے اُن کی مدد کی۔

مشرف نے مجھ پر جھوٹا الزام اس لئے لگایا کہ میں اُنہیں 1998 سے جانتا ہوں جب وہ کور کمانڈر منگلا تھے اور حمید اصغر قدوائی کے ذریعے آرمی چیف بننے کے لئے لابنگ کر رہے تھے بعد ازاں میں اُن کی کشمیر پالیسی کا ناقد رہا۔

اُن پر سخت تنقید کرتا رہا لہٰذا وہ جھوٹ بول کر انتقام لیتے رہے۔ تیسرا سوال یہ تھا کہ کیا آپ کے والد پروفیسر وارث میر مرحوم نے بنگلا دیش بنانے میں شیخ مجیب الرحمٰن کی مدد کی تھی؟

یہ سوال سُن کر میری ہنسی چھوٹ گئی۔ میں نے بتایا کہ 1971 میں میرے والد پنجاب یونیورسٹی لاہور میں صحافت کے اُستاد تھے۔ وہ لاہور میں بیٹھ کر شیخ مجیب کی کیسے مدد کر سکتے تھے؟

مارشل لا کا زمانہ تھا اور وہ سرکاری ملازم تھے۔ مشرقی پاکستان میں ملٹری آپریشن کے مخالف تھے لیکن یہ مخالفت تو لیفٹیننٹ جنرل صاحبزادہ یعقوب علی خان نے بھی کی تھی اور ایسٹرن کمانڈ چھوڑ دی۔

وکیل نے سوال کیا تو پھر بنگلا دیش کی حکومت نے آپ کے والد کو ''فرینڈز آف بنگلا دیش'' کا ایوارڈ کیوں دیا؟ میں نے بتایا کہ یہ ایوارڈ تو فیض احمد فیض اور حبیب جالب کو بھی ملا۔

میرے والد کو اس لئے ملا کہ وہ پاکستان ٹوٹنے سے چند ہفتے قبل پنجاب یونیورسٹی کے طلبہ کا ایک وفد لے کر ڈھاکا یونیورسٹی گئے اور وہاں کے حالات اپنی آنکھوں سے دیکھ کر کچھ سال کے بعد سچائی لکھ ڈالی۔

یہ سچائی اُس وقت شائع ہوئی جب بنگلا دیش بن چکا تھا۔ وکیل نے حیرانی سے پوچھا کہ تو پھر سوشل میڈیا پر کچھ لوگ آپ کے والد کو گندی گالیاں کیوں دیتے ہیں؟ میرے پاس کوئی جواب نہ تھا شاید گالیاں دینے والے کسی کے حکم پر عملدرآمد کرتے ہیں کیونکہ آج کل کچھ نوجوانوں کا روزگار آن لائن گالی گلوچ سے وابستہ ہے۔

نوجوان وکیل نے مجھے اپنے لیپ ٹاپ پر چالیس ٹویٹر اکاؤنٹس دکھائے جو میرے سمیت کچھ دیگر صحافیوں اور سیاستدانوں کو گالی گلوچ کرتے ہیں۔ پھر اُنہوں نے حکمران جماعت سے تعلق رکھنے والی ایک خاتون کے حوالے سے کہا کہ اس نے دعویٰ کیا ہے کہ حامد میر نے احسان اللہ احسان کا انٹرویو کیا تھا حالانکہ آپ نے یہ انٹرویو نہیں کیا۔

اس خاتون نے دعویٰ کیا کہ آپ نے اجمل قصاب کا معاملہ اٹھایا یہ بھی غلط ہے، اس خاتون کو کئی بھارتی چینلز نے اپنے پروگراموں میں بلایا اور اس نے آپ پر الزامات لگائے، آپ نے کارروائی کیوں نہ کی؟

میں نے پوچھا کہ کیا آپ کے خیال میں FIA کا سائبر کرائمز ونگ حکمران جماعت کے لوگوں کے خلاف میری درخواست پر کارروائی کریگا؟

وکیل نے کہا کہ ہم نے اس خاتون سمیت چالیس افراد کے ٹویٹر اکاؤنٹس اور یوٹیوب چینلز کی نشاندہی کر لی ہے جو صرف جھوٹ اور نفرت پھیلا رہے ہیں ہم ان کے خلاف مشترکہ کارروائی کیلئے درخواست دائر کریں گے ہمیں صرف آپ کی تائید چاہئے۔

میں نے کہا کہ عدالتوں کے چکر نہیں لگا سکتا کیونکہ آئی اے رحمٰن صاحب نے بھی اپنے لیکچر میں کہا ہے کہ ہر معاملہ عدالت نہ لے کر جاؤ، عدالتیں ہمیشہ انصاف نہیں دیتیں۔ نوجوان وکیل نے مجھے کچھ ٹویٹس دکھائے جن میں صرف مجھے نہیں بلکہ کچھ دیگر لوگوں کو بھی قتل کی دھمکیاں دی گئی تھیں، کچھ لوگوں نے ایف آئی اے کو شکایت کی لیکن کچھ نہ ہوا لہٰذا اب یہ نوجوان وکیل مل کر قانونی کارروائی کرنا چاہتے تھے۔

میں نے اُن سے اجازت مانگی تو نوجوان وکیل نے کہا کہ آپ کشمیریوں پر ظلم کے خلاف ہر فورم پر آواز بلند کرتے ہیں آپ یہ آواز ضرور بلند کریں لیکن یہ بتائیں کہ جو لوگ سوشل میڈیا پر آپ کے خلاف باتیں کر کے انڈین میڈیا کی آنکھ کا تارا بن رہے ہیں اُن کا سرپرست کون ہے؟

میں جواب دیے بغیر ہاتھ ملا کر وہاں سے روانہ ہوا تو ایک بوڑھی خاتون بھاگی بھاگی پیچھے آئی۔ اُس نے یاد دلایا دو سال پہلے نیشنل پریس کلب کے باہر آپ نے عاصمہ جہانگیر کے ہمراہ کشمیریوں کے حق میں مظاہرہ کیا تھا، میرا بیٹا بھی اس مظاہرے میں شریک تھا، پچھلے تین ہفتوں سے وہ لاپتا ہے اُس کی واپسی کے لئے میری مدد کریں۔

یہ سُن کر میں ٹھٹک گیا۔ واپس مڑا اور نوجوان وکیل کو ڈھونڈ کر کہا کہ تم جو بھی کرو گے میں تمہارے ساتھ ہوں، ہمیں عاصمہ جہانگیر کی یاد میں صرف آنسو نہیں بہانے بلکہ اُس کی طرح ظلم اور دہشت کے خلاف زوردار آواز بھی بلند کرنا ہے۔

(بشکریہ جنگ)

میرا جسم میری مرضی، عورت مارچ کے لیے نعرے، بینر اور پوسٹر تخلیق کرنے والی خواتین پر کیا گزری؟

'میرا جسم میری مرضی' کے علاوہ 'اپنا کھانا خود گرم کرلو' اور 'طلاق یافتہ لیکن خوش' جیسی عبارت والے پلے کارڈز پر مچنے والا کہرام سوشل میڈیا کے علاوہ پاکستانی نیوز چینلز کی بھی زینت بنا اور ہزاروں سوشل میڈیا صارفین نے ان پر اپنی اپنی رائے بھی دی۔

جہاں کسی کو یہ نعرے بہت پسند آئے تو کئی حلقوں نے ان پر اعتراض کرتے ہوئے ان کے خالقوں کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا۔

ان میں سے ایک نعرہ، میرا جسم میری مرضی، آج بھی سوشل میڈیا پر ٹاپ ٹرینڈز میں شامل ہے اور اس کی وجہ گذشتہ شب خلیل الرحمٰن قمر اور ماروی سرمد کے درمیان نیو ٹی وی کے پروگرام پر ہونے والی بحث ہے۔

بی بی سی نے چند ایسی خواتین سے بات کی ہے جنھوں نے یہ نعرے تخلیق کیے اور ان نعروں کے پیچھے موجود اصل پیغام تک پہنچنے کی کوشش کی ہے۔

'میرا جسم میری مرضی'

'پچھلے ایک سال سے لے کر اب تک لوگ اس نعرے کو مذاق سمجھتے ہیں۔ خاص طور پر جب کوئی عورت اپنے جسم پر اپنا حق پکارتی ہے تو مرد اسے عوامی مقامات پر ماسٹربیشن یا خود لذتی کے جواز کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ مارچ سے پہلے اور بعد میں مجھے ایسی ایسی باتیں سننی پڑیں اور ہراس کا اتنا سامنا کرنا پڑا جو ناقابلِ بیان ہے۔۔۔ حتیٰ کہ میری جن ساتھیوں کے پوسٹرز مشہور ہوئے انھیں ریپ سے لے کر موت تک کی دھمکیاں دی گئیں۔'

یہ الفاظ ہیں نور (فرضی نام) کے جنھوں نے 'میرا جسم میری مرضی' والا متنازعہ پوسٹر بنایا تھا۔ پوسٹر کی خالق کہتی ہیں کہ مارچ کے بعد آنے والے منفی ردعمل سے وہ اتنی ڈری ہوئی تھیں کہ شروع میں وہ بی بی سی سے بھی بات کرنے سے ہچکچا رہی تھیں۔ نام نہ ظاہر کرنے کی شرط پر انھوں نے ہم سے بات کی۔

بی بی سی کی منزہ انوار سے گفتگو کرتے ہوئے نور نے بتایا کہ 'میرا جسم میری مرضی کا مطلب ہے کہ عورت اپنے جسم پر اپنا اختیار اور آزادی چاہتی ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ اسے اپنے جسم سے متعلق فیصلے کرنے کا حق ہو، یہ چننے کا اختیار ہو کہ اس جسم کے ساتھ کیا کیا جائے، جو پہننا چاہے بنا ریپ کے خوف کے اسے پہننے کا حق ہو۔

'اس کا مطلب ہے کم عمری میں شادی کی مخالفت، خواتین کے ختنوں (فیمیل جینیٹل میوٹیلیشن) کی مخالفت، اپنی مرضی سے شادی کا حق، شوہر کو جنسی زبردستی کرنے سے روکنے کا حق وغیرہ ہے۔ یہ حق کہ اسے روزگار یا تفریح کے مقام تک رسائی ہو اور یہ حق کہ اس کے جسم کو جنسی کنٹرول کی آڑ میں کوئی مسخ نہ کر سکے۔'

عورت مارچ کی آرگنائزر قرت مرزا کہ مطابق اس نعرے کا بنیادی مقصد 'تولیدی صحت' سے متعلق آگاہی پھیلانا تھا۔

قرت مرزا کہتی ہیں اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ پاکستان میں سب سے زیادہ عورتیں زچگی کے دوران ہلاک ہو جاتی ہیں۔ 'اسی لیے ہم نے عورت کے جسم پر اس کے حق کی بات کی اور اسے صحت کی بنیادی سہولت تک رسائی کا نعرہ لگایا۔'

وہ کہتی ہیں 'ایک عورت کا جسم کب اسے بچے پیدا کرنے کی اجازت دیتا ہے اور کب وہ بچے پیدا کرنے کا عمل روکنا چاہتی ہے، ایک عورت کو اپنی مرضی سے اپنے جسم سے متعلق فیصلے کرنے کا حق ہونا چاہیے۔'

نور کہتی ہیں 'پاکستان میں رازداری سے کئی بچیوں کے اعضائے تناسل کو مسخ کرنے کا رواج ہے جسے 'فیمیل جینیٹل میوٹیلیشن' یا ختنے کہا جاتا ہے۔ اس عمل کا نہ مذہبی کتب میں نہ سائنس میں کوئی جواز ہے۔ جواز بس یہ ہے کہ عورت کی جنسی اور نفسانی خواہشات کو قابو کیا جائے۔ یہ کسی طور پر ختنہ نہیں بلکہ جنسی تشدد ہے جو چھوٹی بچیوں کے ساتھ ان کے اپنے ہی گھر والے کرتے ہیں۔ یہ خودمختاری اور جسمانی سالمیت کو چھیننا ہے۔

'بس اسی طرح کے واقعات دیکھ کر اور لوگوں کو یاد دلانے کے لیے کہ عورتیں بھی انسان ہیں اور عورتوں کو بھی مردوں کی طرح ان کے جسم پر پورا اختیار ہونا چاہیے، مجھے لگا کہ اس پر بات کی جانی چاہیے۔'

اس بارے میں عورت مارچ کی آرگنائزر شائلہ خان کہتی ہیں اس نعرے کو ایسا بنا دیا گیا کہ شاید ہم لوگ کوئی ایسا ایجنڈا لا رہے ہیں جو ہماری ثقافت اور معاشرے سے بہت ہٹ کر ہے۔

مارچ سے لے کر اب تک 'پوسٹر بنانے والوں سے لے کر جو اس کے آس پاس بھی نظر آیا، ان خواتین کو ذاتی طور پر نشانہ بنایا گیا۔ انھیں ریپ اور موت کی دھمکیاں دی گئیں۔'

وہ کہتی ہیں 'فحاشی کے بارے میں ہمارا رویہ بڑا عجیب سا ہے۔ ہمیں ریپ یا جنسی استحصال جیسے عمل میں تو فحاشی نظر نہیں آتی لیکن جو لوگ اس کے بارے میں بات کر رہے ہوتے ہیں، ہمیں ان میں فحاشی نظر آنے لگتی ہے۔'

اسی بارے میں قرت مرزا کہتی ہیں ہمارے معاشرے میں لوگ عورتوں کے ساتھ ہونے والے مظالم کو قبول کر کے بیٹھ گئے ہیں اور انھیں یہ سننے میں بہت برا لگتا ہے کہ عورتیں اپنے جسم پر حقوق کی بات کر رہی ہیں اسی لیے وہ اسے غلط انداز سے دیکھتے اور فحاشی گردانتے ہیں۔ صدیوں سے تحریکِ نسواں کو اسی چیز پر نشانہ بنایا گیا ہے اور آج تک یہی کیا جا رہا ہے۔

'اگر آپ کو لگتا ہے کہ پوسٹروں پر لکھے نعرے فحش ہیں تو آپ معاشرے سے فحاشی ختم کر دیں، نعرے خود بخود ٹھیک ہو جائیں گے۔'

'طلاق یافتہ لیکن خوش'

انھی پلے کارڈز میں سے ایک صحافت سے وابستہ صباحت ذکریا نے اٹھا رکھا تھا، جس پر درج تھا 'طلاق یافتہ لیکن خوش'۔

وہ کہتی ہیں 'ہم عورت مارچ کے لیے گئے، ہم وہاں پر کھڑے ہوئے تھے، میں سوچ کر نہیں گئی تھی کہ میرے ہاتھ میں کیا پلے کارڈ ہو گا لیکن جب دوسری خواتین کو دیکھا، ان کا جوش دیکھا تو دل میں خیال آیا کہ میں بھی کسی طرح اپنا اظہار کر سکوں۔'

صباحت نے بی بی سی کی ثنا آصف ڈار سے بات کرتے ہوئے بتایا کہ عورت مارچ کے دوران تو انھیں اس پوسٹر پر کافی مثبت ردعمل ملا اور بہت سی خواتین نے ان کے پاس آ کر پلے

کارڈ کو سراہا بھی لیکن سوشل میڈیا پر اس پلے کارڈ کے ساتھ ان کی تصویر منظر عام پر آنے کے بعد بہت منفی ردعمل سامنے آیا۔

وہ بتاتی ہیں کہ سب سے مضحکہ خیز ردعمل انھیں ایک خاتون سے ہی ملا، جو خود بیرون ملک رہتی ہیں۔

'انھوں نے کہا اوہو۔۔۔ یہ پاکستان کو کیا ہو گیا ہے، یہ کس قسم کا معاشرہ ہے، یہ کہاں جا رہا ہے جبکہ وہ خود برطانیہ میں رہتی ہیں۔'

جب ہم نے صباحت سے پوچھا کہ اس نعرے 'طلاق یافتہ لیکن خوش' کے پیچھے منطق کیا تھی تو انھوں نے بتایا کہ ان کا خیال ہے کہ پاکستان میں خواتین کی شناخت کو صرف ان کی شادی سے منسوب کر دیا جاتا ہے۔

'ہمارے ہاں خواتین کو صرف شادی کی حد تک محدود کر دیا جاتا ہے، اس سے ہٹ کر ان کی کوئی شناخت نہیں ہوتی اور نہ ہی کوئی اس میں دلچسپی لیتا ہے، جب شادی یا طلاق کے حوالے سے بات کی جاتی ہے تو عورتوں کی بے چارگی یا ان کے دکھ پر ہی فوکس کیا جاتا ہے۔'

وہ کہتی ہیں کہ وہ بطور ایک انسان، سنگل ویمن، سنگل مدر اور طلاق یافتہ عورت کے خوشی محسوس کرتی تھیں۔

'جب میں نے وہ پلے کارڈ اٹھایا تو میری طلاق کو کافی عرصہ گزر چکا تھا لیکن طلاق کے وقت بھی جذبات آزادی کے تھے، ایک ایسی کیفیت تھی جیسے آپ کسی جیل سے آزاد ہوتے ہیں تو میں اس پلے کارڈ سے لوگوں کو یہ بتانا چاہتی تھی۔'

انھوں نے ہنستے ہوئے کہا 'لوگ اسے (طلاق) حادثہ کہتے ہیں، میں زندگی کے ایک مخصوص موقع کا ایک مختلف نقطہ نظر پیش کرنا چاہتی تھی۔ ایسا نقطہ نظر جس سے ہم عام طور پر واقف نہیں ہوتے۔'

صباحت کے مطابق انھیں اپنے خاندان کی جانب سے بھی کچھ تنقید کا سامنا کرنا پڑا۔

'اس خاص پلے کارڈ پر تو نہیں لیکن عورت مارچ میں شمولیت کرنے پر مجھ پر تنقید کی گئی اور کہا گیا کہ یہ کس قسم کی چیزیں ہیں۔'

صباحت کا کہنا ہے کہ عورت مارچ میں شامل بہت سی خواتین خطرہ مول لے کر وہاں آئی تھیں اور آتی ہیں۔

'جب میں نے وہ پلے کارڈ اٹھایا تو میری طلاق کو کافی عرصہ گزر چکا تھا لیکن طلاق کے وقت بھی جذبات آزادی کے تھے، ایک ایسی کیفیت تھی جیسے آپ کسی جیل سے آزاد ہوتے ہیں تو میں اس پلے کارڈ سے لوگوں کو یہ بتانا چاہتی تھی۔'

'مسلسل ایک منفی رویے کا خوف یا یہ کہ آپ کو روکا جائے گا یا آپ پر تنقید کی جائے گی تو رہتا ہی ہے لیکن ایسا خواتین کے ساتھ مختلف شعبوں میں ہوتا ہی رہتا ہے۔'

لیکن صباحت کا کہنا ہے کہ وہ اس پلے کارڈ کی وجہ سے ہونے والی تنقید کو منفی انداز سے نہیں دیکھتیں۔

'میں سمجھتی ہوں کہ یہ بھی ایک مثبت بات ہے کیونکہ یہ لوگوں کو سوچنے پر مجبور کر رہا ہے، اگر آپ اس پر بحث کر رہے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی وقت پر شاید آپ کسی اچھے نتیجے پر پہنچ ہی جائیں۔ مجھے خوشی ہے کہ اس سے یہ بحث شروع ہوئی۔'

'اپنا کھانا خود گرم کرو'

'اپنا کھانا خود گرم' کرو کی خالق اسنا حسین کے مطابق انھوں نے یہ نعرہ دو برس قبل ہونے والے عورت مارچ میں شمولیت کے لیے لکھا تھا لیکن اسے مقبولیت گذشتہ برس کے عورت مارچ سے ملی۔

اسنا نے بی بی سی کی نامہ نگار ترہب اصغر کو بتایا کہ یہ آئیڈیا انھیں ایسے آیا کہ ایک مرتبہ وہ اپنی دوست کے گھر گئیں تو اس گھر کے کسی فرد نے ان کی دوست سے کہا کہ تم بھائی کے لیے چائے بنا دو۔ 'میں نے جب یہ سنا تو اسے بولا کہ تمہارا بھائی خود کیوں نہیں چائے بنا سکتا یہ کون سا مشکل کام ہے۔ جس پر میری دوست نے جواب دیا کہ وہ کیسے چائے بنائے گا وہ لڑکا ہے۔ یہ بات بری بھی لگی اور میرے دماغ میں بھی بیٹھ گئی۔'

اسنا کا کہنا ہے کہ ہم نے عورتوں اور مردوں کے صنفی کردار مقرر کر دیے ہیں کہ کھانا بنائے گی بھی عورت اور گرم بھی وہی کرے گی۔

'شاید ہمارے معاشرے میں یہ روایت عرصہ دراز سے چلتی آ رہی ہے کہ گھر کے کام عورتیں کریں گی اور باہر کے کام مرد کریں گیں۔ ہم نے اپنی دادی نانی کو دیکھا ہے کہ وہ کام کاج کے لیے گھر سے باہر نہیں جاتی تھیں لیکن اب زمانہ تبدیل ہو رہا ہے۔ عورتیں ہر وہ کام کر رہی ہیں جو مرد کرتے ہیں۔ دیکھا جائے تو کچھ عورتیں مردوں سے زیادہ کام رہی ہیں۔'

اسنا نے اپنی والدہ کا حوالہ دیتے ہوئے کہا 'جب سے میں نے آنکھ کھولی ہے میں اپنی امی کو کام کرتے دیکھ رہی ہوں۔ وہ میرے لیے سپر ہیرو ہیں کیونکہ انھوں نے اکیلے اپنے گھر کو سنبھالا، نوکری بھی کی اور باہر کے کام بھی کیے۔

اسنا کا کہنا تھا کہ میرے پوسٹر پر درج نعرے کو غلط انداز میں دیکھا گیا۔

'میں نے پوسٹر پر لکھا تھا کہ کھانا خود گرم کرلو جس کا مطلب یہ نہیں کہ کھانا خود بنا لو۔ اس پوسٹر سے مراد یہ تھا کہ کھانا بنا ہوا ہے اگر مرد خود اٹھ کر اسے گرم کر لے گا تو اس میں کوئی بڑی بات نہیں ہے۔'

ان کا مزید کہنا تھا کہ ہمارے معاشرے میں مرد نے بچپن سے ہی یہ دیکھا ہے کہ گھر میں زیادہ تر کام مائیں کرتی ہیں۔ 'مرد کو اس بات کی تسلی ہوتی ہے کہ ایک عورت چاہے وہ ماں ہو، بہن ہو، بیوی ہو یا پھر بیٹی، میرے کام کرنے کے لیے موجود ہو گی جس کی وجہ سے وہ خود کے چھوٹے موٹے کام بھی نہیں کرتے ہیں۔'

اسنا کا پوسٹر سوشل میڈیا پر وائرل ہوتے ہی صارفین نے اس پر تنقید بھی کی اور کچھ لوگوں نے اس کی حمایت بھی کی۔

اسنا نے بتایا کہ مجھے آج تک یاد ہے کہ ایک لڑکے نے میرے پوسٹر پر کمنٹ کیا کہ 'اس لڑکی کو انڈہ بھی نہیں بنانا آتا ہو گا اسے بولو کہ جا کر ٹائر بدل کر دکھائے۔'

'اتفاق کی بات ہے کہ میں کھانا بھی بہت اچھا بناتی ہوں اور گاڑی کا ٹائر بھی تبدیل کر لیتی ہوں۔ اصل میں مسئلہ یہ ہے کہ جب لوگ سچائی سے دور بھاگتے ہیں تو وہ ذاتیات پر حملہ کرنا شروع کر دیتے ہیں۔'

'میرا چھوٹا سا پوسٹر بہت سے لوگوں کو برا لگا اور کچھ مردوں کو تو اتنا محسوس ہوا کہ اس پوسٹر کے احتجاج میں باقاعدہ ایک مارچ نکالا گیا جس میں پوسٹر بنائے گئے کہ اپنا ڈوپٹہ خود پیکو کروا لو، بارتھ روم کی ٹائلیں خود لگا لو وغیرہ وغیرہ۔'

اسنا نے مزید بتایا کہ چند لوگ ایسے بھی ہیں جنھوں نے ان کے پوسٹر کو سمجھا اور اس کی اہمیت جاننے کے بعد اس کے حق میں بات کی جنھیں دیکھ کر انھیں بہت خوشی ہوئی۔

(بشکریہ بی بی اردو)

برابر کا ساتھ

سلیمہ جہانگیر

حال ہی میں، ہمارے وزیراعظم بڑھتی ہوئی شرح طلاق کا ذمہ دار غیر ملکی ذرائع ابلاغ کو قرار دے کر بڑے پیمانے پر تنقید کا ہدف بنے ہیں۔ پاکستانی عام طور پر اپنی روایتی خاندانی اقدار پر نازاں رہتے ہیں اور شادی کے تقدس کا جو وہ احترام کرتے ہیں اس پر انہیں بہت زیادہ فخر ہے۔ پھر بھی پاکستان ان ملکوں میں شامل ہے جہاں طلاق لینا بہت زیادہ آسان ہے، خاص کر مردوں کے لیے۔ شادی کے خاتمے کے بہت کم نتائج پڑتے ہیں کیونکہ مشترکہ یا ازدواجی ملکیت یا آمدنی کا کوئی تصور نہیں؛ بچوں کو دیا جانے والا خرچہ عموماً بہت کم ہوتا ہے اور بیوی، اپنے خاندان کی عمر بھر خدمت کرنے کے باوجود اپنے خاوند کے اثاثے یا آمدنی میں حصے کا دعویٰ نہیں کرسکتی۔

پاکستان میں ازدواجی معاملات طے کرنے کے لیے ہونے والی قانون سازی پر ملائیت کا اچھا خاصا اثر رہتا ہے۔ پاکستان کے خانگی قوانین بنانے کے لیے تشکیل پانے والے راشد کمیشن نے تجویز کیا تھا کہ طلاق کا اندراج ہونا چاہیے مگر انہیں اتنا بھی انہیں گوارہ نہیں تھا۔ مولانا تھانوی نے ملائیت کی نمائندگی کرتے ہوئے کہا تھا کہ طلاق کا اندراج یا عدالتوں کی کسی قسم کی مداخلت " مضحکہ خیز اور شریعت کے منافی" ہے۔ ان کی منطق یہ تھی کہ اگر کسی فرد کے حق طلاق میں کسی طریقے سے بشمول اندارج مداخلت کی گئی تو اس سے جوڑے طلاق کے حصول کے لیے "برائی اور بدکاری" کی طرف مائل ہوں گے جس سے "مسلم سماج پستی کی اتھاہ گہرائیوں میں گر جائے گا"۔ صرف اس نکتے پر ان کی بات کو رد کیا گیا۔

لگ بھگ 60 برسوں بعد، ہم اسی مقام پر ہیں۔ جج صاحبان مذہبی قواعد کی اپنی انفرادی سمجھ بوجھ کے مطابق فیصلے کرتے ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ اسلام نے مرد کو طلاق دینے کا مکمل اختیار دیا ہے۔ عدالتی نظائر کے باوجود، ہائی کورٹس نے متضاد فیصلے کیے ہیں، بعض نے کہا ہے کہ مؤثر طلاق کے لیے یونین کونسل کو طلاق سے مطلع کرنا پڑے گا اور 90 دن کا عرصہ گزارنا پڑے گا، جبکہ دیگر کا کہنا ہے کہ طلاق مؤثر ہے چاہے یونین کونسل کو مطلع نہ بھی کیا گیا ہو۔

آبادی کے نصف حصے جن میں سے کئی دوسرے نصف کے رحم وکرم پر ہیں، سے ناانصافی سماجی عدم مساوات کی واضح مثال ہے مگر اس پر توجہ نہیں دی جا رہی۔ قانون میں تبدیلیاں تجویز کرنے کے لیے قائم ہونے والے ہر کمیشن نے ازدواجی اثاثوں یا آمدنی کو اس کا مقام نہ ملنے پر تشویش ظاہر کی۔

1993 میں زاہد کمیشن نے کہا کہ " عورتوں کو شادی کے اختتام پر اثاثہ جات اور املاک میں سے حصہ نہ ملنا انہیں درپیش مسائل میں سب سے بڑا مسئلہ ہے"۔ زاہد کمیشن نے یہ تک کہا کہ بانٹنے کا یہ اصول کسی مطلقہ عورت کے ساتھ متاع یا شفقت کے ساتھ ہم آہنگ ہے۔ متاع اسلامی اصولوں کا حصہ ہے اور قرآن پاک میں اس کا ذکر ہے۔

بعض مسلم ممالک میں، جیسے کہ اردن، مراکش، الجزائر، شام، لیبیا اور تیونس میں متاع بیوی کو جہیز اور نان نفقہ کے علاوہ دیا جاتا ہے۔ پاکستان میں متاع کا کوئی تصور نہیں۔ اسی طرح، مشرق وسطیٰ کے ممالک میں، نکاح نامہ میں بطور حق مہر مالیاتی بندوبست اور سرمائے کی فراہمی کی کئی شرائط شامل ہوتی ہیں، پھر بھی پاکستان میں کئی شادیوں میں یہ رقم برائے نام ہوتی ہے کیونکہ لوگ اسے برا سمجھتے ہیں کہ وہ ازدواجی زندگی کے خاتمے کے بارے میں سوچنا برا شگون سمجھتے ہیں۔

مؤثر طلاق کے لیے یونین کونسل کو طلاق سے مطلع کرنا پڑے گا اور 90 دن کا عرصہ گزارنا پڑے گا، جبکہ دیگر کا کہنا ہے کہ طلاق مؤثر ہے چاہے یونین کونسل کو مطلع نہ بھی کیا گیا ہو۔

پاکستان عورتوں کے خلاف ہر قسم کے امتیاز کے خاتمے کے کنونشن اور دیگر عالمی اصولوں کا فریق ہے جو زور دے کر کہتے ہیں کہ ازدواجی زندگی میں عورتوں کی غیر مالیاتی خدمات کو تسلیم کیا جائے تاکہ میاں بیوی کے درمیان برابری کا عنصر غالب رہے۔ یہ امر ناقابل عمل ہے کہ عورتوں کو اطاعت کے بدلے میں مالیاتی بندوبست کے لیے مکمل طور پر اپنے باپوں یا شوہروں کا محتاج بنا دیا جائے۔ لہٰذا، کئی مسلم معاشروں میں، ازدواجی زندگی میں عورتوں کی غیر مالیاتی خدمات کو تسلیم کروانے کے لیے خاطر خواہ پیش رفت ہوئی ہے۔ میاں بیوی کی مشترکہ کوششوں سے حاصل ہونے والے وسائل پر عورتوں کا حق قبول کر کے، ان مسلم ممالک کا نہیں خیال کہ وہ اسلامی اصولوں کی کوئی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔

ملیشیا میں، عدالت ہر فریق کی خدمات کا اندازہ لگانے کے بعد ازدواجی اثاثہ جات کی تقسیم کا حکم نامہ صادر کرسکتی ہے۔ جہاں کسی عورت نے کوئی مالیاتی خدمات نہ بھی انجام دی ہوں پھر بھی وہ شادی کے دورانیے کو مدنظر رکھتے ہوئے اثاثہ جات کے ایک تہائی کی مستحق قرار دی جاسکتی ہے۔ سنگاپور میں، شرعی عدالتیں خاندان کے لیے بیوی کی خدمات جیسے کے گھر اور بچوں کی دیکھ بھال کو مدنظر رکھنے کا اختیار رکھتی ہیں۔ اگر کسی بیوی نے کوئی براہ راست مالیاتی خدمت انجام نہیں دی وہ عام طور پر جائیداد کے 35 فیصد کی مستحق ٹھہرتی ہے۔ ترکی میں، ضابطہ دیوانی میں ہونے والی نظرثانیوں نے قرار دیا ہے کہ شادی کے دوران حاصل کردہ جائیداد اور اثاثہ جات کی مساوی تقسیم طے شدہ اصول ہے۔ انڈونیشیا میں عورتوں کی غیر مالی خدمات کو تسلیم کیا جاتا ہے اور طلاق پر عورت کو ازدواجی جائیداد کو تقسیم کرنے کا اختیار ہے۔

ستم ظریفی دیکھیے کہ خاندان کا تصور عموماً مقدس سمجھا جاتا ہے مگر خاندانی تعلقات طے کرنے والے قوانین کو بدلتے ہوئے عالمی رجحانات سے ہم آہنگ کرنے سے گریز کیا جاتا ہے۔ انگلینڈ میں، طلاق کا معاملہ ابھی تک نقص پر مبنی ہے کیونکہ ریاست اتنی پریشان ہے کہ اس حساس موضوع پر مداخلت کرنے سے گریزاں ہے۔ ہندوستان میں، 1985 میں کانگریس کی حکومت نے تقریباً گھٹنے ٹیک دیے تھے جب مسلم برادری نے عدالت عظمیٰ کے فیصلے پر شور و غوغا کیا جس میں عدالت نے فیصلہ کیا کہ 62 سالہ مطلقہ خاتون شاہ بانو ایک کھاتے پیتے شوہر جس نے شادی کے 46 برس بعد اسے گھر سے باہر پھینک دیا تھا، سے 20-179 روپے فی ماہ نان نفقہ لینے کی حقدار ہے۔

عورتوں کو اُن کے گھروں میں خودمختار کرنے والی اصلاحات ایک جذباتی معاملہ بن گیا ہیں مگر جب تک ایک عورت اپنے گھر میں تحفظ نہیں پا لیتی، اُس کے لیے معاشرت یا معیشت میں کوئی حصہ ڈالنا مشکل ہے۔ کئی عورتیں سڑک پر آنے کے خوف سے غیر مہذب شادیوں کی زنجیر سے بندھی رہتی ہیں۔ تشدد، ہراسانی اور کثرت ازدواج پر بنائے گئے قواعد وضوابط مفید ہیں مگر کوئی آدمی شادی کے تقدس کی کو صرف اس صورت میں سراہا سکتا اور گھر پر اچھے رویے کی قدر کرسکتا ہے اگر وہ اپنی املاک اور آمدنی میں منصفانہ طریقے سے اپنی شریک حیات کو بھی حصہ دار بناتا ہے۔

مصنف ایچ ایس لیگل ایڈ سیل کی بورڈ ممبر، ہائی کورٹس کی وکیل اور انگلینڈ و ویلز کی اعلیٰ عدالتوں کی سالسٹر ہیں۔

(انگریزی سے ترجمہ، بشکریہ ڈان)

عورتوں کے خلاف ہر قسم کے امتیازات کے خاتمے کا معاہدہ

"......کسی ملک کی ہمہ جہت اور بھرپور ترقی، عالمی فلاح و بہبود اور قیام امن تقاضا کرتے ہیں کہ عورتیں زندگی کے تمام شعبوں میں مردوں کے ساتھ مساوی شرائط پر زیادہ سے زیادہ شرکت کریں۔"

تعارف

عورتوں کے خلاف ہر قسم کے امتیازات کے خاتمے کا معاہدہ (CEDAW) اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے 18 اکتوبر 1979ء کو منظور کیا۔ تاہم بین الاقوامی میثاق کی حیثیت سے یہ معاہدہ 3 ستمبر 1981ء کو اس وقت نافذ ہوا جب بیسویں ملک نے بھی اس کی توثیق کر دی۔ معاہدے کے نفاذ کی دسویں سالگرہ کے موقع پر 1989ء میں کم و بیش ایک سو ممالک نے اس کی پابندی کرنے پر رضامندی ظاہر کی تھی۔

یہ معاہدہ عورتوں کی صورتحال پر نظر رکھنے اور حقوق نسواں کو فروغ دینے کے لئے 1946ء میں خواتین کی سماجی حیثیت سے متعلق اقوام متحدہ کمیشن کی تیس سال سے زائد عرصہ کی جدوجہد کا ثمر تھا۔ کمیشن کی مساعی نے ان شعبوں کی نشاندہی کرنے میں رہنما کردار ادا کیا ہے جہاں مردوں کے ساتھ عورتوں کی برابر حیثیت تسلیم نہیں کی جاتی۔ فلاح نسواں کیلئے کمیشن کی کوششوں کے نتیجے میں متعدد اعلامیئے اور اعلانات جاری کئے گئے جن میں سے عورتوں کے خلاف تمام امتیازات کے خاتمے کے معاہدے کو مرکزی اور نہایت جامع دستاویز ہونے کی حیثیت حاصل ہے۔

انسانی حقوق کے بین الاقوامی معاہدات میں مذکورہ معاہدے کو ایک منفرد مقام حاصل ہے کیونکہ اس کے باعث عورتوں پر مشتمل انسانی آبادی کا نصف حصہ بھی انسانی حقوق کو درپیش خطرات کے حوالے سے توجہ کا مرکز بن گیا ہے معاہدے کی اساس اقوام متحدہ کے وہ مقاصد ہیں جن کا ہدف بنیادی انسانی حقوق، بنی نوع انسان کی قدر و منزلت اور عورتوں اور مردوں کے مساوی حقوق پر عوام الناس کے یقین کو مستحکم بنانا ہے۔ موجودہ دستاویز مساوات کا مفہوم متعین کرتی ہے اور اس کے حصول کی راہ دکھاتی ہے۔ اس کے پیش نظر یہ معاہدہ نہ صرف حقوق نسواں کیلئے ایک بین الاقوامی بل کا تعین کرتا ہے بلکہ ایک ایسے ضابطہ کار کی نشاندہی بھی کرتا ہے جس پر عملدرآمد کے ذریعے مختلف ممالک عورتوں کے ان حقوق کے تحفظ کی ضمانت بھی دے سکتے ہیں۔ اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ اس حوالے سے فوری طور پر رکن ممالک میں قانون سازی کی جائے۔

معاہدے کے دیباچے میں یہ امر واضح طور پر تسلیم کیا گیا ہے کہ "عورتوں کے خلاف امتیاز برتنے کا سلسلہ جاری ہے" اور اس لحاظ سے یہ معاہدہ اس امر کی تاکید کرتا ہے کہ یہ امتیازات "انسانی وقار، احترام اور حقوق کی برابری کے اصولوں کی خلاف ورزی کرتے ہیں" شق 1 میں دی گئی تعریف کے مطابق امتیاز روا رکھنے سے مراد "سیاسی، اقتصادی، سماجی، ثقافتی یا سول شعبوں میں جنس کی بنا پر کسی قسم کی تفریق کرنا، کسی ایک جنس کو الگ کر دینا یا اس پر پابندی عائد کرنا ہے"۔ چنانچہ معاہدہ فریق ریاستوں سے حسب ذیل مطالبہ کر کے مساوات کے اصول کی مثبت اور بامعنی توثیق کا تقاضا کرتا ہے۔

یہ معاہدہ عورتوں کی صورتحال پر نظر رکھنے اور حقوق نسواں کو فروغ دینے کے لئے **1946**ء میں خواتین کی سماجی حیثیت سے متعلق اقوام متحدہ کمیشن کی تیس سال سے زائد عرصہ کی جدوجہد کا ثمر تھا۔ کمیشن کی مساعی نے ان شعبوں کی نشاندہی کرنے میں رہنما کردار ادا کیا ہے جہاں مردوں کے ساتھ عورتوں کی برابر حیثیت تسلیم نہیں کی جاتی۔ فلاح نسواں کیلئے کمیشن کی کوششوں کے نتیجے میں متعدد اعلامیئے اور اعلانات جاری کئے گئے جن میں سے عورتوں کے خلاف تمام امتیازات کے خاتمے کے معاہدے کو مرکزی اور نہایت جامع دستاویز ہونے کی حیثیت حاصل ہے۔

"تمام ریاستیں قانون سازی سمیت تمام مناسب اقدام کریں تاکہ خواتین کی پیش رفت اور بھرپور ترقی کے عمل کو یقینی بنایا جا سکے اور مردوں کے ساتھ برابری کی بناء پر انہیں تمام بنیادی حقوق اور شہری آزادیوں سے استفادہ کرنے کے مقاصد کے حصول کی ضمانت دی جا سکے" (شق 3) مساوات کا ضابطہ عمل بعد میں آنے والی چودہ شقوں میں مخصوص کر دیا گیا ہے۔ ان تک رسائی کے حوالے سے معاہدے میں عورتوں کی صورتحال کی تین جہتوں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ شہری حقوق اور عورتوں کی قانونی حیثیت پر مفصل بحث کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ اور انسانی حقوق کے دیگر معاہدات کے برعکس، اس معاہدے میں انسان کے تولیدی عمل کی مختلف جہتوں اور مرد اور عورت کے مابین تعلقات پر ثقافتی اثرات پر بھی خصوصی توجہ دی گئی ہے۔

عورت کی قانونی حیثیت پر وسیع تر پس منظر میں توجہ مرکوز کی گئی ہے۔ 1952ء میں عورتوں کے سیاسی حقوق کا منشور منظور ہو جانے کے باوجود، سیاسی عمل میں شرکت کے بنیادی حقوق کا دائرہ محدود نہیں کیا گیا۔ بلکہ موجودہ دستاویز کی شق 7 میں مذکورہ منشور کی شرائط کا اعادہ کیا گیا ہے، جن کی بدولت عورتوں کو رائے دینے، سرکاری ذمہ داریاں انجام دینے اور دفاتر میں کام کرنے کے حقوق کی ضمانت دی گئی ہے۔ ان حقوق میں بین الاقوامی سطح پر اپنے اپنے ملکوں کی نمائندگی کرنے کیلئے عورتوں کی شہریت کے معاہدے جو 1957ء میں منظور کیا گیا کو شق 9 کی رو سے معاہدہ ہذا سے مربوط کیا گیا ہے، یہ عورتوں کی ازدواجی حیثیت سے قطع نظر، ان کو شہریت کا حق عطا کرتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ معاہدہ اس حقیقت کی جانب بھی توجہ مرکوز کراتا ہے کہ عورتوں کی قانونی حیثیت شادی سے منسلک ہو کر رہ گئی ہے، اور اس طرح وہ اپنا انفرادی حق حاصل کرنے کی بجائے اپنے خاوند کی شہریت کی مرہون منت ہو کر رہی گئی ہیں۔ شقیں 10، 11 اور 13 بالترتیب تعلیم، روزگار اور سماجی و اقتصادی سرگرمیوں میں عورتوں کے بلا امتیاز حقوق کی توثیق کرتی ہیں۔ دیہی عورتوں کی صورتحال کے حوالے سے یہ مطالبے پورے کرنے پر بھی خصوصی طور پر زور دیا گیا ہے کیونکہ دفعہ 14 کے مطابق ان کی مخصوص جدوجہد اور اقتصادی فراوانی میں عورتوں کا نمایاں کردار، منصوبہ بندی میں ان پر زیادہ توجہ دینے کا تقاضا کرتے ہیں شق 15 میں شہری اور کاروباری امور میں عورت کی مکمل برابری کی تاکید کی گئی ہے اور مطالبہ کیا گیا ہے کہ عورتوں کی قانونی حیثیت کو پابند کرنے والے جملہ ضوابط "کالعدم اور غیر موثر تصور کئے جائیں۔" آخر میں شق 16 میں شادی کے مسئلے اور خاندانی تعلقات کو دوبارہ زیر غور لایا گیا ہے اور یہ تاکید کی گئی ہے کہ شادی کا حق استعمال کرنے، والدین کی حیثیت سے فرائض انجام دینے، ذاتی حقوق اور جائیداد حاصل کرنے کے

ضمن میں عورتوں اور مردوں کو مساوی حقوق دیئے جائیں۔

شہری حقوق کے تحفظ کے علاوہ معاہدے میں عورتوں کے ایک اور اہم مسئلے، یعنی تولیدی حقوق پر بھی خصوصی توجہ دی گئی ہے۔ دیباچے میں اس حق کی ابتداء ان الفاظ میں کی گئی ہے۔ ''افزائش نسل میں عورت کا کردار وجہ تفریق نہیں بنایا جانا چاہئے''۔ عورت کے خلاف امتیازی سلوک اور اس کا تولیدی کردار پورے معاہدے میں مسلسل توجہ کا موضوع ہے۔ مثال کے طور پر منشور کی شق 5 میں استدلال کیا گیا ہے کہ ''سماجی فریق کی حیثیت سے زچگی کا مکمل ادراک ضروری ہے''۔ بچے کو جنم دینے کے عمل کو ماں اور باپ کی مشترکہ ذمہ داری تسلیم کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ زچہ و بچہ کے تحفظ اور دیکھ بھال کو لازمی حقوق کے زمرے میں شامل کیا گیا ہے اور انہیں منشور کے تمام شعبوں سے مربوط کیا گیا ہے، خواہ ان شعبوں کا تعلق حصول روزگار، خاندانی قوانین، تحفظ صحت یا حصول تعلیم سے ہو۔ سماجی خدمات کی فراہمی معاشرے کے فرائض میں شامل ہے۔ بالخصوص بچوں کی نگہداشت کی سہولتوں کی فراہمی کیونکہ یہ سہولتیں لوگوں کو انفرادی طور پر خاندانی ذمہ داریاں انجام دینے اور قومی زندگی میں مشترکہ کام کرنے کا موقع فراہم کرتی ہیں۔ زچہ و بچہ کی دیکھ بھال کیلئے خصوصی اقدامات تجویز کئے گئے ہیں اور انہیں ''امتیازی سلوک قرار نہ دینے'' کی تاکید کی گئی ہے۔ (شق 4) معاہدہ عورتوں کے تولیدی اختیار کے حق کی بھی تصدیق کرتا ہے۔ قابل توجہ امر تو یہ ہے کہ صرف انسانی حقوق کا معاہدہ ہی خاندانی منصوبہ بندی کا تذکرہ کرتا ہے۔ فریق ریاستوں پر ذمہ داری عائد کی گئی ہے کہ وہ خاندانی منصوبہ بندی کی بابت مشاورت کو نظام تعلیم میں شامل کریں (شق 10) اور ایسے ضوابط کو فروغ دیں جو عورتوں کو ان حقوق کی ضمانت فراہم کریں جن کی بدولت وہ ''بچوں کی تعداد اور پیدائش میں وقفے کا آزادانہ فیصلہ کرسکیں متعلقہ ضروری معلومات اور تعلیم تک رسائی حاصل کرسکیں اور انہیں ایسے وسائل بھی حاصل ہوں تاکہ وہ ان حقوق سے استفادہ کرسکیں''۔ (شق 16)

منشور کا تیسرا عام تقاضا انسانی حقوق کے بارے میں ہمارے تصور کو وسعت دیتا ہے کیونکہ اس کی بدولت ثقافتی اور روایتی اثرات کو رسمی زاویوں سے پذیرائی ملتی ہے جو عورتوں کے بنیادی حقوق کی ادائیگی میں رخنہ انداز ہوتے ہیں یہ عوامل قدیم رسم و رواج اور طور طریقوں کی صورت میں اثر انداز ہوتے ہیں اور عورتوں کی ترقی پر متعدد قانونی، سیاسی اور اقتصادی قدغنیں عائد کرنے کا سبب بنتے ہیں۔ داخلی تعلقات کی اس صورت حال کے پیش نظر معاہدے کے دیباچے میں زور دیا گیا ہے کہ ''معاشرے اور خاندان کی سطح پر مردوں اور عورتوں کے روایتی کردار میں ایک ایسی تبدیلی لانے کی ضرورت ہے جس کے طفیل مردوں اور عورتوں کے مابین مکمل برابری حاصل کی جاسکے''۔ اس لحاظ سے فریق ریاستوں کو انفرادی کردار کے سماجی اور ثقافتی اسالیب میں جدت پیدا کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی ہے تاکہ ''ایسے تمام تعصبات، روایات اور بے جا سرگرمیوں کا خاتمہ ہوسکے جو مرد یا عورت کے بہتر یا کمتر ہونے کی عکاسی کرتی ہوں یا عورتوں اور مردوں کے قدامت پسندانہ کردار پر مبنی ہوں'' (شق 5)۔ (شق 10-ج) درسی کتب، سکول پروگراموں اور تدریسی طریقوں کا جائزہ لینے کی ذمہ داری متعین کرتی ہے تاکہ تعلیم کے شعبے میں قدامت پسندانہ نظریات کی بیخ کنی کی جاسکے۔ آخر میں ثقافتی اسالیب، جو کام کاج کے خارجی میدان کو ''مرد کی دنیا'' اور گھریلو سرگرمیوں کو ''عورت کی دنیا'' قرار دیتے ہیں کو معاہدے کی جملہ شرائط میں ہدف بنایا گیا ہے۔ یہ شرائط خاندانی زندگی میں مساوی ذمہ داریوں اور تعلیم و روزگار کے حصول کے سلسلے میں مساوی حقوق کی توثیق کرتی ہیں۔ بایں ہمہ معاہدہ ایسے تمام عوامل کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک جامع ضابطہ کار بھی وضع کرتا ہے جو جنس کی بنا پر تفریق کے جواز اور تسلسل کا باعث بنتے ہیں۔

معاہدے پر عمل درآمد عورتوں کے خلاف امتیازی سلوک کے خاتمے کیلئے قائم کردہ کمیٹی کی نگرانی میں کیا جارہا ہے۔ معاہدہ (CEDAW) کی ذمہ داریوں اور انتظامی امور کا تعین معاہدے کی شق 17 تا 30 میں کردیا گیا ہے یہ کمیٹی ایسے 23 ماہرین پر مشتمل ہے جو متعلقہ حکومتیں نامزد کرتی ہیں اور جن کا انتخاب اعلیٰ اخلاقی اقدار اور معاہدے کے زمرے میں آنے والے شعبوں میں ان کی اعلیٰ مہارت کی بنا پر فریق ریاستیں خود کرتی ہیں۔

کم از کم ہر چار سال بعد فریق ریاستیں کمیٹی کو اپنی قومی رپورٹ پیش کرتی ہیں جن میں ان اقدامات کی وضاحت کی جاتی ہے جو معاہدے کے مقاصد حاصل کرنے کے لئے کئے گئے ہوں۔ سالانہ اجلاس کے دوران کمیٹی کے ارکان حکومتی نمائندوں کے ساتھ مل کر ان رپورٹوں پر بحث کرتے ہیں اور مزید اقدامات کے لئے شعبوں کی نشاندہی کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ کمیٹی عورتوں کے خلاف امتیازی سلوک کا خاتمہ کرنے کیلئے عام سفارشات بھی مرتب کرتی ہے۔

معاہدہ

اس معاہدے میں فریق ریاستیں اس امر کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے

کہ اقوام متحدہ کا منشور بنیادی انسانی حقوق، فرد کی عزت واحترام اور مردوں اور عورتوں کے مساوی حقوق پر پختہ یقین کا اعادہ اور اظہار کرتا ہے۔ اس امر کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے کہ انسانی حقوق کا عالمی منشور امتیازی سلوک کو ناقابل قبول قرار دینے کے اصول کی توثیق کرتا ہے اور یہ اعلان کرتا ہے کہ ہر انسان اپنے وقار اور حقوق کے لحاظ سے مساوی اور آزاد نفس کی حیثیت سے پیدا ہوتا ہے اور یہ کہ ہر شخص کو جنسی امتیاز سمیت ہر قسم کی تفریق کے بغیر منشور میں متعین کردہ حقوق اور آزادیاں حاصل ہیں۔

اس امر کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے، کہ انسانی حقوق کے عالمی میثاقات میں شریک فریق ریاستوں کا فرض ہے کہ وہ عورتوں اور مردوں کے مساوی حقوق کو یقینی بنائیں تاکہ وہ اپنے تمام اقتصادی، سماجی، ثقافتی، شہری اور سیاسی استحقاقات حاصل کرسکیں۔

اقوام متحدہ کے زیر اہتمام طے پانے والے بین الاقوامی معاہدے اور عورتوں اور مردوں کے مابین حقوق کی برابری کو فروغ دینے والی مخصوص ایجنسیوں کے کردار پر غور کرتے ہوئے،

اقوام متحدہ کے زیر اثر اور عورتوں اور مردوں کے مابین حقوق کی برابری کو فروغ دینے والی مخصوص ایجنسیوں کی منظور کردہ بین الاقوامی قراردادوں، اعلانات اور سفارشات پر غور کرتے ہوئے،

اس بات پر سخت تشویش محسوس کرتے ہوئے کہ مختلف انسدادی ضابطوں کے نافذ العمل ہونے کے باوجود عورتوں کے خلاف امتیازی سلوک کرنے کا سلسلہ جاری ہے،

اس امر کی یاددہانی کراتے ہوئے کہ عورتوں کے ساتھ امتیازی سلوک کرنا مساوی انسانی حقوق اور انسانی احترام کے اصولوں کی خلاف ورزی کے مترادف ہے کسی ملک کی سیاسی، اقتصادی، سماجی اور ثقافتی زندگی کے دھارے میں مردوں کے ساتھ عورتوں کی مساوی شرائط پر شرکت کے عمل میں رکاوٹ کا باعث ہے، خاندان اور معاشرے کی ترقی اور خوشحالی کا راستہ روک لیتا ہے اور ملک اور انسانیت کی خدمت کے حوالے سے عورتوں کی صلاحیتوں کے بھرپور ارتقاء کو مزید مشکل بنادیتا ہے،

اس امر پر تشویش محسوس کرتے ہوئے کہ غربت کے عالم میں عورتوں کو خوراک، صحت، تعلیم و تربیت کی سہولتوں اور روزگار اور دوسری ضرورتوں کے کم سے کم مواقع اور رسائی حاصل ہوتی ہے،

یہ امر تسلیم کرتے ہوئے کہ عدل و مساوات پر مبنی نیا عالمی اقتصادی نظام مردوں اور عورتوں کے درمیان برابری کو فروغ دینے میں کلیدی کردار ادا کرے گا،

اس امر پر زور دیتے ہوئے کہ نسل پرستی کی جملہ اقسام،

نسلی امتیاز، سامراجی نظام، نوآبادکاری نظام، جارحیت، غیرملکی تسلط اور قبضے اور ریاستوں کے اندرونی معاملات میں مداخلت کا مکمل خاتمہ عورتوں اور مردوں کے حقوق کی ادائیگی کیلئے نہایت ضروری ہے،

اس امر کی توثیق کرتے ہوئے کہ بین الاقوامی امن و سلامتی کو استحکام دینے، عالمی کشیدگی کو ختم کرنے، سماجی و اقتصادی ڈھانچوں کے قطع نظر تمام ممالک کے درمیان باہمی تعاون اور ہم آہنگی کو فروغ دینے، جنگی ہتھیاروں کا عمومی اور مکمل طور پر خاتمہ کرنے اور بالخصوص سخت گیر بین الاقوامی نگرانی کے تحت ایٹمی ہتھیاروں کا خاتمہ کرنے، مختلف ممالک کے مابین انصاف، برابری اور باہمی مفادات کے اصولوں کی پاسداری کرنے، سامراجی طاقتوں اور غیرملکی تسلط کا شکار ہونے والی قوموں کے حقوق کی بازیابی کیلئے جدوجہد کرنے ''آزادی اور حق خودارادیت کے حصول کی حمایت کرنے اور قوموں کی علاقائی سالمیت اور قومی خودمختاری کا احترام کرنے سے سماجی ترقی اور آسودگی کو فروغ حاصل ہوگا اور اس کے نتیجے میں مردوں اور عورتوں کے درمیان برابری کے رجحان کو تقویت دینے میں مدد ملے گی،

اس امر کو تسلیم کرتے ہوئے کہ کسی ملک کی بھرپور ترقی، دنیا کی بہتری اور فروغ امن کا تقاضا ہے کہ زندگی کے تمام شعبوں میں عورتوں کی مردوں کے ساتھ مساوی شرائط پر زیادہ سے زیادہ شرکت کو یقینی اور لازمی بنایا جائے،

اس حقیقت کو ذہن میں رکھتے ہوئے کہ خاندانی بہبود اور معاشرتی ارتقاء کے عمل میں عورت کے عظیم کردار کو پوری طرح تسلیم نہیں کیا گیا، زچگی کی سماجی افادیت اور خاندان کی بہتری اور بچے کی پرورش میں والدین کے کلیدی کردار کی اہمیت محسوس کرتے ہوئے، یہ امر جانتے ہوئے کہ نسل انسانی کے فروغ میں عورت کے کردار کو امتیازی سلوک کی بنیاد نہیں بننا چاہئے، اور اس امر کو بخوبی محسوس کرتے ہوئے کہ بچوں کی پرورش عورتوں اور مردوں بلکہ بحیثیت مجموعی معاشرے کی مشترکہ ذمہ داری ہے اور

یہ حقیقت جانتے ہوئے کہ خاندان کی سطح پر اور معاشرے میں عورتوں اور مردوں کے روایتی کردار میں تبدیلی لانا ضروری ہے تاکہ عورتوں اور مردوں کے درمیان مکمل برابری کو یقینی بنایا جاسکے،

عہد کرتے ہیں کہ عورتوں کے خلاف امتیازی سلوک کے اعلامیئے میں طے شدہ اصولوں پر مکمل عمل درآمد کرائیں گے اور اس مقصد کے حصول کے لئے وہ تمام مطلوبہ اقدامات کریں گے جو عورتوں کے خلاف امتیازی سلوک اور اس کی مختلف اقسام کے قلع قمع کیلئے ضروری ہیں۔

چنانچہ، معاہدے میں شریک تمام فریق ریاستیں حسب ذیل امور پر متفق ہیں:۔

حصہ اول

شق۔1

حالیہ معاہدے کے مقاصد کے حصول کیلئے ''عورتوں کے خلاف امتیازی سلوک'' کی اصطلاح کا مفہوم یہ ہے کہ جنس کی بنا پر کوئی ایسا سلوک، امتناع، پابندی یا تفریق روا نہیں رکھی جاسکتی جو مردوں کے ساتھ برابری کی بنا پر اور ازدواجی حیثیت کے قطع نظر عورتوں کو حاصل ایسے انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کے حصول اور ان سے استفادہ کرنے پر اثر انداز ہو یا سیاسی، اقتصادی، سماجی، ثقافتی، شہری یا کسی بھی شعبہ حیات میں عورتوں کے استحقاق کی نفی کرے یا ان کی بجا آوری میں رکاوٹ کا باعث بنے۔

اس حقیقت کو ذہن میں رکھتے ہوئے کہ خاندانی بہبود اور معاشرتی ارتقاء کے عمل میں عورت کے عظیم کردار کو پوری طرح تسلیم نہیں کیا گیا، زچگی کی سماجی افادیت اور خاندان کی بہتری اور بچے کی پرورش میں والدین کے کلیدی کردار کی اہمیت محسوس کرتے ہوئے، یہ امر جانتے ہوئے کہ نسل انسانی کے فروغ میں عورت کے کردار کو امتیازی سلوک کی بنیاد نہیں بننا چاہئے، اور اس امر کو بخوبی محسوس کرتے ہوئے کہ بچوں کی پرورش عورتوں اور مردوں بلکہ بحیثیت مجموعی معاشرے کی مشترکہ ذمہ داری ہے اور

شق۔2

فریق ریاستیں عورتوں کے خلاف ہر قسم کے امتیازی سلوک کی مذمت کرتی ہیں، عورتوں کے خلاف امتیازی سلوک ختم کرنے کیلئے مناسب اقدامات اور بلاتاخیر حکمت عملی شروع کرنے پر رضامندی ظاہر کرتی ہیں اور اس مقصد کیلئے یہ عہد کرتی ہیں کہ:۔

(ا) وہ عورتوں اور مردوں کی برابری کے اصول کو، اگر پہلے شامل نہیں کیا گیا تو معاہدہ ہذا میں شمولیت کے بعد فوری طور پر اپنے اپنے قومی دساتیر اور دیگر مناسب قانونی ضابطوں میں شامل کریں گی اور قانونی و دیگر ضروری مسائل کی مدد سے اس اصول کی عملی تعبیر کو یقینی بنائیں گی۔

(ب) وہ عورتوں کے خلاف امتیازی سلوک کے انسداد کیلئے مناسب قانون سازی کریں گی اور جہاں مناسب سمجھیں پابندیاں بھی عائد کریں گی۔

(ج) وہ مردوں کے ساتھ برابری کی بنا پر عورتوں کے حقوق کو قانونی تحفظ فراہم کریں گی اور امتیازی سلوک کے خلاف مجاز قومی ٹریبونلز اور دیگر سرکاری اداروں کے توسط سے عورتوں کے حقوق اور مراعات کے تحفظ کو یقینی بنائیں گی۔

(د) وہ عورتوں کے خلاف کسی امتیازی فعل یا سرگرمی میں ملوث ہونے سے گریز کریں گی اور اس امر کو یقینی بنائیں گی کہ سرکاری حکام اور ادارے اس فرض کی پابندی کریں گے۔

(ر) وہ کسی شخص، تنظیم یا ادارے کی طرف سے عورتوں کے خلاف امتیازی سلوک کا تدارک کرنے کیلئے تمام ضروری اقدامات کریں گی۔

(ف) وہ قانون سازی سمیت ایسے اقدامات کریں گی جن کے ذریعے عورتوں کے خلاف امتیازی سلوک کا باعث بننے والے موجودہ قوانین، ضوابط رسم و رواج اور روایات میں ترمیم کی جاسکے یا انہیں ختم کیا جاسکے۔

(گ) وہ اپنی قومی تعزیرات میں موجود ایسے تمام قوانین منسوخ کردیں گی جو عورتوں کے خلاف امتیازی سلوک کا باعث بن رہے ہوں۔

شق۔3

فریق ریاستیں تمام شعبوں، بالخصوص سیاسی، اقتصادی اور ثقافتی میدان میں قانون سازی سمیت ہر ممکن اقدام کریں گی تاکہ عورتوں کی بھرپور ترقی اور خوشحالی کے عمل کو یقینی بنایا جاسکے اور انہیں مردوں کے ساتھ برابری کی بنا پر انسانی حقوق اور آزادیاں حاصل کرنے کی ضمانت دی جاسکے۔

شق۔4

(ا) مردوں اور عورتوں کے درمیان حقیقی برابری کے عمل کو تیز کرنے کیلئے فریق ریاستوں کی طرف سے جاری کردہ عارضی یا خصوصی اقدامات کو موجودہ معاہدے میں وضع کردہ تعریف کے مطابق ''امتیازی سلوک'' تصور نہیں کیا جانا چاہئے اور نہ ہی ایسے اقدامات کسی طور پر غیر مساوی یا علیحدہ معیارات کے جواز پر منتج ہوں گے بلکہ ان کا تسلسل اس وقت ختم ہوجائے گا، جب عورتوں کے حصول میں مناسب مواقع اور سلوک میں برابری کے اہداف حاصل کرلئے جائیں گے۔

(ب) معاہدہ ہذا میں شامل اقدامات سمیت فریق ریاستوں کی طرف سے کئے جانے والے ایسے مخصوص اقدامات کو بھی ''امتیازی اقدامات'' تصور نہیں کیا جائے گا۔ جن

کا مدعا زچگی کے دوران عورت کو تحفظ فراہم کرنا ہے۔

شق۔5

فریق ریاستیں ایسے تمام ممکن اور مناسب اقدام کریں گی جن کی رو سے:۔

(ا) عورتوں اور مردوں کے طرزِ عمل کے سماجی و ثقافتی نمونوں میں ضروری تبدیلی یا ترمیم کی جاسکے اور ایسے تمام تعصّبات، روایات اور رویوں کا خاتمہ کیا جاسکے جو مرد اور عورت میں سے ایک کے بہتر اور دوسرے کے کم تر ہونے کے رسمی مفروضوں یا عورتوں اور مردوں کے روایات پسندانہ کردار کی پاسداری کرنے کے تصورات پر مبنی ہوں۔

(ب) سماجی تقاضے کی حیثیت سے زچگی کے عمل کے بارے میں مناسب معلومات کے حصول کو خاندانی تعلیم کا حصہ بنایا جاسکے اور بچوں کی پرورش اور نشو و نما کے عمل کو مردوں اور عورتوں کی مشترکہ ذمہ داری تسلیم کرایا جاسکے۔ تاہم یہ امر پیش نظر رہے کہ بچوں کی دلچسپی اولین ترجیح حاصل کرنے کا تقاضا کرتی ہے۔

شق۔6

فریق ریاستیں قانون سازی سمیت ایسے تمام مناسب اقدامات کریں گی جن کے ذریعے عورتوں کی تجارت، استحصال اور عصمت فروشی کے رجحانات کا خاتمہ کیا جاسکے۔

حصہ دوم

شق۔7

فریق ریاستیں اپنے اپنے ملک کی سیاسی اور اجتماعی زندگی کی سطح پر عورتوں کے خلاف ہونے والے امتیازی سلوک کے خاتمے اور تدارک کیلئے تمام موزوں اقدامات کریں گی اور بالخصوص مردوں کے ساتھ برابری کی بناء پر عورتوں کے حسب ذیل حقوق کو یقینی بنائیں گی۔

(ا) تمام انتخابات اور رائے شماریوں میں رائے دینے کا حق اور انتخاب کے ذریعے قائم ہونے والے تمام اداروں کا انتخاب لڑنے کا حق،

(ب) سرکاری حکمت عملی کی تیاری اور تعمیل میں شریک ہونے، سرکاری عہدہ حاصل کرنے اور سرکاری سطح پر جملہ سرگرمیوں میں فرائض منصبی انجام دینے کا حق،

(ج) ملک کی سیاسی اور اجتماعی زندگی سے تعلق رکھنے والی انجمنوں اور غیر سرکاری تنظیموں میں شرکت کرنے کا حق،

شق۔8

فریق ریاستیں ایسے تمام ضروری اقدامات کریں گی جن کے تحت عورتوں کو مردوں کے ساتھ برابری کی بنیاد پر اور بلا امتیاز اپنی اپنی حکومتوں کی بین الاقوامی سطح پر نمائندگی کرنے کے مواقع حاصل کرنے اور بین الاقوامی تنظیموں کے کام میں شرکت کو یقینی بنایا جاسکے۔

شق۔9

(ا) فریق ریاستیں عورتوں کو مردوں کے ساتھ برابری کی بنیاد پر قومیت حاصل کرنے، بدلنے یا برقرار رکھنے کا حق دیں گی۔ وہ اس امر کو خصوصی طور پر یقینی بنائیں گی کہ کسی غیر ملکی فرد کے ساتھ شادی کرنے یا شادی کے دوران خاوند کی طرف سے شہریت تبدیل کر لینے کے باعث بیوی کی شہریت تبدیل نہیں ہوگی اور اس کے باعث وہ شہریت سے محروم نہیں ہوگی اور نہ ہی خاوند کے ملک کی شہریت اس پر مسلط کی جاسکے گی۔

فریق ریاستیں قانون سازی سمیت ایسے تمام مناسب اقدامات کریں گی جن کے ذریعے عورتوں کی تجارت، استحصال اور عصمت فروشی کے رجحانات کا خاتمہ کیا جاسکے۔

(ب) تاہم، فریق ریاستیں بچوں کی شہریت کے لحاظ سے عورتوں کو مردوں کے مساوی حقوق دیں گی۔

حصہ سوم

شق۔10

فریق ریاستیں عورتوں کے خلاف امتیازی سلوک کے انسداد کیلئے تمام مناسب اقدامات کریں گی تاکہ تعلیم کے شعبے میں مردوں کے ساتھ عورتوں کے مساوی حقوق کی ادائیگی کو یقینی بنایا جاسکے اور برابری کی بنا پر انہیں حسب ذیل مفادات یقینی طور پر میسر آسکیں۔

(ا) روزگار اور پیشہ ورانہ راہنمائی اور دیہی و شہری علاقوں میں قائم ہر قسم کے تعلیمی اداروں سے ڈپلومے اور تعلیم حاصل کرنے کے لئے سازگار ماحول کا حصول، برابری کے اس استحقاق کو عورتوں کیلئے پرائمری سطح سے لے کر عام، فنی، پیشہ ورانہ اور اعلیٰ فنی تعلیم و تربیت کی سطح تک یقینی بنایا جانا۔

(ب) یکساں نصاب، ایک جیسے امتحانی نظام، یکساں تعلیمی استعداد کے حامل تدریسی عملے، یکساں معیاری سکولوں اور یکساں معیار کے ساز و سامان تک رسائی حاصل کرنا،

(ج) مردوں اور عورتوں کے کردار کے بارے میں قدامت پسندانہ تصورات کا ہر قسم کی تعلیم اور تعلیمی مدارج سے خاتمہ کرنا، یہ مقصد مخلوط تعلیم یا اس مقصد کیلئے ممد ثابت ہونے والے دیگر طریقہ ہائے تعلیم کی حوصلہ افزائی سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ یہ مقصد خصوصی طور پر نصابی کتب، تدریسی طریقوں اور سکول پروگراموں پر نظر ثانی سے بھی حاصل ہوسکتا ہے۔

(د) وظیفوں اور دیگر مطالعاتی اعانتوں سے استفادہ کرنے کے یکساں مواقع کا حصول آسان بنانا،

(ر) تعلیم کا سلسلہ جاری رکھنے کیلئے تعلیم بالغاں، عملی تعلیم اور خواندگی افزا تعلیمی پروگراموں تک رسائی کے یکساں مواقع کا حصول، بالخصوص ایسے پروگراموں میں عورتوں کی شرکت کو یقینی بنانا جن کا مقصد، ابتدائی مرحلے میں یا جس قدر جلد ممکن ہو، عورتوں اور مردوں کے مابین تعلیمی تفاوت دور کرنا ہو۔

(ف) طالبات کے سکول چھوڑ جانے کی شرح کم کرنا اور ان خواتین اور لڑکیوں کے لئے تعلیمی پروگرام مرتب کرنا جو تکمیل تعلیم سے پہلے سکول چھوڑ چکی ہوں،

(گ) جسمانی تعلیم کے پروگراموں اور کھیلوں میں خواتین کی شرکت کے مساوی موقعوں کا حصول یقینی بنانا،

(ی) خاندانی منصوبہ بندی کی بابت مشاورت اور معلومات کے حصول سمیت خاندان کی صحت اور فلاح و بہبود کے بارے میں خصوصی تعلیم اور معلومات تک رسائی کا حصول آسان بنانا،

شق۔11

1۔ فریق ریاستیں وہ تمام مناسب اقدامات کریں گی جن کی بدولت حصول روزگار کے شعبے میں عورتوں کے خلاف امتیازی سلوک اور تفاوت کا خاتمہ کیا جاسکے اور عورت اور مرد کی برابری کی بنا پر حسب ذیل حقوق کے حصول کو بالخصوص عورتوں کیلئے یقینی بنایا جاسکے،

(ا) بنی نوع انسان کے غیر متغیر حق کے طور پر کام کرنے کا حق،

(ب) روزگار کے یکساں مواقع پر حق، جس میں ملازمت میں انتخاب کے ایک جیسے معیاروں کا اطلاق شامل ہے،

(ج) روزگار اور پیشہ اختیار کرنے کا آزادانہ حق، ترقی، تحفظ روزگار، سماجی مفادات اور بہتر شرائط ملازمت حاصل کرنے کا حق، اور اعلیٰ فنی اور جاریہ فنون کی تربیت اور ہنرمندی کے حصول سمیت پیشہ ورانہ تربیت، دوبارہ اور مزید تربیت حاصل کرنے کا حق،

(د) مفادات سمیت مساوی معاوضہ، کام اور ایک جیسے کام میں مساوی سلوک اور کام کے یکساں معیار اور ارتقائی مراحل میں یکساں سلوک اور مساوی حیثیت حاصل

کرنے کا حق،

(ر) سماجی تحفظ، بالخصوص ریٹائرمنٹ، بے روزگاری، بیماری، بڑھاپے یا کسی دیگر مجبوری / معذوری کے باعث کام نہ کرسکنے کے دوران نیز بالمعاوضہ رخصت حاصل کرنے کا حق،

(ف) اپنی صحت کیلئے اور کام کے دوران تحفظ، بالخصوص تولیدی تقاضے پورے کرنے کے دوران سماجی و اقتصادی تحفظات حاصل کرنے کا حق،

2۔ شادی یا زچگی کی بناء پر عورتوں کے خلاف امتیازی سلوک پر مبنی رویے کا تدارک کرنے اور کام کرنے کے حق کو مزید موثر بنانے کیلئے فریق ریاستیں بمطابق حسب ذیل موزوں اقدامات کریں گی۔

(ا) عورت کے حاملہ ہوجانے کی بنا پر یا رخصت زچگی حاصل کرنے کی صورت میں عورت کی ملازمت سے برطرفی کا امتناع کریں گی یا ایسے اقدامات پر پابندی عائد کریں گی نیز ازدواجی بنا پر نوکری سے عورت کی برطرفی کا انسداد کریں گی،

(ب) تنخواہ یا مناسب سماجی مفادات کے ساتھ رخصت زچگی کا طریقہ متعارف کرانا اور سابقہ نوکری، سنیارٹی الاؤنسز برقرار رکھنا،

(ج) ضروری امدادی اور سماجی خدمات کی فراہمی کے ذریعے والدین کو باہم مل کر خاندانی اور اجتماعی ذمہ داریاں انجام دینے کے قابل بنانا، اس ضمن میں بچے کی نگہداشت کی سہولتوں کا جال پھیلا کر اس تصور کو بالخصوص فروغ دینا،

(د) عورتوں کو حمل کے دوران تحفظ فراہم کرنا اور انہیں ایسے کام میں رعایت دینا جو ان کے لئے نقصان دہ ثابت ہوسکتا ہو،

3۔ اس دفعہ کے زمرے میں آنے والے امور کی بابت حفاظتی قانون سازی پر سائنسی اور فنی علوم کی روشنی میں نظرثانی کی جائے گی اور جہاں ضروری ہو، مناسب اعادہ، تنسیخ یا توسیع کی جائے گی،

شق۔12

1۔ فریق ریاستیں صحت کے شعبے میں خواتین کے خلاف امتیازی سلوک ختم کرنے کیلئے تمام مناسب اقدامات کریں گی تاکہ عورتوں کو مردوں کے ساتھ برابری کی بنیاد پر خاندانی منصوبہ بندی سمیت تحفظ صحت کی جملہ سہولتوں تک بآسانی رسائی حاصل ہوسکے،

2۔ شق ہذا کے پیرا (1) میں دی گئی مراعات کے علاوہ فریق ریاستیں خواتین کو حمل اور عرصہ جنم کے دوران اور بچے کی پیدائش کے بعد بھی مناسب سہولتوں کی فراہمی کو یقینی بنائیں گی، اس ضمن میں جہاں ضرورت پیش آئے مفت سہولت اور بچے کی پرورش کے دوران مناسب خوراک بھی مہیا کی جائے،

شق۔13

فریق ریاستیں اقتصادی اور سماجی زندگی کے دیگر شعبوں میں عورتوں کے خلاف امتیازی سلوک کے خاتمے کے لئے اقدامات کریں گی تاکہ انہیں بمطابق حسب ذیل، مردوں

> عورت کے حاملہ ہوجانے کی بنا پر یا رخصت زچگی حاصل کرنے کی صورت میں عورت کی ملازمت سے برطرفی کا امتناع کریں گی یا ایسے اقدامات پر پابندی عائد کریں گی نیز ازدواجی بنا پر نوکری سے عورت کی برطرفی کا انسداد کریں گی۔

کے ساتھ برابری کی بنا پر یکساں حقوق حاصل ہوسکیں۔

(ا) خاندان کے لئے مفادات کے حصول کا حق،

(ب) بنک قرضے، رہن کے ذریعے قرضہ یا دیگر مالی مفادات حاصل کرنے کا حق،

(ج) تفریحی سرگرمیوں، کھیلوں اور ثقافتی سرگرمیوں میں شرکت کرنے کا حق،

شق۔14

1۔ فریق ریاستیں دیہی خواتین کو درپیش مخصوص مسائل اور شمار میں نہ لائے جانے والے اقتصادی شعبوں سمیت دیہی خواتین کے اس کردار پر بھی غور کریں گی جو وہ اپنے خاندانوں کی اقتصادی کفالت کے لئے انجام دے رہی ہیں، فریق ریاستیں دیہی علاقوں پر بھی اس معاہدے کے اطلاق کیلئے مناسب اقدامات کریں گی،

2۔ فریق ریاستیں دیہی علاقوں میں خواتین کے خلاف امتیازی سلوک کا تدارک کرنے کیلئے تمام مناسب اقدامات کریں گی تاکہ مردوں کے ساتھ برابری کی بنیاد پر خواتین بھی دیہی ترقی کے ثمرات سے بھرپور استفادہ کرسکیں۔ اس ضمن میں فریق ریاستیں خواتین کو حسب ذیل حقوق کی فراہمی یقینی بنائیں گی۔

(ا) تمام سطحوں پر ترقیاتی منصوبوں کی تیاری اور عمل درآمد میں شریک ہونے کا حق،

(ب) خاندانی منصوبہ بندی کے بارے میں معلومات، مشاورت اور خدمات کے حصول سمیت تحفظ صحت کی خاطر خواہ سہولتیں حاصل کرنے کا حق،

(ج) سماجی تحفظ کے پروگراموں سے براہ راست استفادہ کرنے کا حق،

(د) عملی خواندگی سمیت غیر رسمی اور رسمی تعلیم کی جملہ اقسام سے استفادہ کرنے اور کمیونٹی کی طرف سے پیش کردہ توسیعی خدمات سے مفادات حاصل کرنے کا حق تاکہ عورتوں کی فنی استعداد میں اضافہ ہوسکے،

(ر) اپنی مدد آپ کے تحت گروپ بندی یا تنظیمیں قائم کرنے کا حق تاکہ ملازمت یا خود روزگاری کے ذریعے خواتین کو اقتصادی بہتری کے مساوی مواقع میسر آسکیں،

(ف) کمیونٹی کی تمام سرگرمیوں میں شرکت کا حق

(گ) زرعی قرضوں، کاروباری سہولتوں تک رسائی اور مناسب ٹیکنالوجی، زرعی اصلاحات اور اشتمال اراضی کی سکیموں سے استفادہ کرنے کا حق،

(ی) مناسب رہائشی سہولتوں، بالخصوص رہائش، نکاسیٔ آب، بجلی، پانی، ٹرانسپورٹ اور دیگر مواصلاتی وسائل سے استفادہ کرنے کا حق،

حصہ چہارم

شق۔15

1۔ فریق ریاستیں قانون کی نظر میں خواتین کو مردوں کے مساوی حیثیت عطا کریں گی۔

2۔ فریق ریاستیں سول معاملات میں خواتین کو مردوں سے مماثل قانونی حیثیت دینے اور اسے بروئے کار لانے کے مساوی مواقع فراہم کریں گی، بالخصوص خواتین کو معاہدات طے کرنے اور جاگیروں کا انتظام کرنے کا مساوی حق دیں گی اور عدالتی کارروائی کے تمام مراحل میں ان کے ساتھ مساوی سلوک کریں گی،

3۔ فریق ریاستیں اتفاق کرتی ہیں کہ قانونی تاخیر کے حامل ایسے تمام معاہدات یا نجی ضوابط جو خواتین کی قانونی حیثیت کو محدود کرتے ہوں بے اثر اور کالعدم تصور کئے جائیں گے،

4۔ فریق ریاستیں لوگوں کی آمدورفت اور رہائش یا سکونت کے چناؤ سے متعلق قانون میں خواتین اور مردوں کو مساوی حقوق عطا کریں گی۔

شق۔16

1۔ فریق ریاستیں شادی اور خاندانی تعلقات کے معاملات میں خواتین کے خلاف امتیازی سلوک کے خاتمہ کیلئے تمام مناسب اقدامات کریں گی اور عورتوں کو مردوں کے ساتھ برابری کی بنا پر بالخصوص، حسب ذیل حقوق کی ادائیگی یقینی بنائیں گی،

(ا) شادی کرنے کا یکساں حق،

(ب) شوہر کے آزادانہ چناؤ اور خواہش کے مطابق شادی کرنے کا حق،

(ج) ازدواجی زندگی کے دوران اور شادی کے خاتمہ کے وقت یکساں حقوق اور ذمہ داریاں ادا کرنے کا حق،

(ر) والدین ازدواجی حیثیت کے قطع نظر، اپنے بچوں سے متعلق معاملات میں بچوں کے مفادات کو بہرصورت مقدم رکھیں گے۔

(ر) بچوں کی تعداد اور پیدائش میں وقفے سے متعلق آزادی اور ذمہ داری سے فیصلہ کرنے کا حق، اور ان حقوق کے مناسب استعمال کیلئے مطلوبہ معلومات، تعلیم اور وسائل سے استفادہ کرنے کا حق،

(ن) بچوں کے بارے میں سرپرستی، نگرانی، امانت داری یا سپرد داری حاصل کرنے کے یکساں حقوق اور ذمہ داریاں ادا کرنے کا حق یا ایسے اداروں کے بارے میں یکساں حقوق اور ذمہ داریاں ادا کرنے کا حق جہاں قومی سطح پر قانون سازی کے ایسے تصورات موجود ہوں تاہم ہر صورت میں بچوں کے مفادات مقدم سمجھے جائیں گے۔

(گ) میاں اور بیوی کی حیثیت سے ذاتی حقوق بشمول خاندانی نام پیشہ یا روزگار اپنانے کے یکساں ذاتی حقوق،

(ل) جائیداد کی ملکیت، حصول انتظام، اس کی خرید وفروخت خواہ یہ بلا لاگت ہو یا قیمت وصول کرنے کی غرض سے ہو اور اس کا بندوبست کرنے کے سلسلے میں خاوند اور بیوی کو یکساں حقوق کی ادائیگی،

2۔ کسی بچے کی منگنی یا شادی کا کوئی قانونی اثر نہیں ہوگا، اور قانون سازی سمیت تمام ایسے ضروری اقدامات کئے جائیں گے جن کے تحت شادی کی کم سے کم عمر کا تعین ہوسکے اور سرکاری ریکارڈ میں شادی کا اندراج لازمی ہوسکے۔

حصہ پنجم

شق۔17

1۔ معاہدۂ ہٰذا پر عمل درآمد کا جائزہ لینے کیلئے خواتین کے خلاف امتیازی سلوک کی انسدادی کمیٹی (جس کا حوالہ بعد ازاں بطور کمیٹی دیا جائے گا) قائم کی جائے گی۔ یہ کمیٹی معاہدے میں شمولیت کے موقع پر 18 ارکان پر مشتمل ہوگی جبکہ معاہدے کی توثیق یا معاہدے میں 35 ویں ریاست کے بطور فریق شامل ہوجانے کے بعد 23 ایسے ماہرین پر مشتمل ہوگی جو معاہدے کے زمرے میں آنے والے موضوعات پر دسترس رکھتے ہوں اور اعلیٰ اخلاقی قدروں کی پاسداری کرنے کی شہرت کے حامل ہوں۔ فریق ریاستیں اپنے شہریوں میں سے ان ماہرین کا انتخاب کریں گی اور وہ ذاتی حیثیت میں کام کریں گے۔ تاہم اس انتخاب میں مساوی جغرافیائی تقسیم اور مختلف تہذیبوں کی نمائندگی اور صفِ اول کے قانونی نظاموں کو مناسب ترجیح دی جائے گی۔

> ابتدائی انتخاب معاہدہ نافذ العمل ہونے کی تاریخ کے چھ ماہ بعد منعقد کیا جائے گا۔ ہر انتخاب کی تاریخ سے تین ماہ قبل سیکرٹری جنرل اقوام متحدہ فریق ریاستوں کو ایک چٹھی لکھیں گے اور انہیں دو ماہ کے عرصے میں نامزدگیاں داخل کرانے کی دعوت دیں گے۔

2۔ فریق ریاستوں کی طرف سے نامزد کردہ افراد کی فہرست میں سے خفیہ رائے دہی کے ذریعے کمیٹی کے ارکان کا انتخاب کیا جائے گا۔ ہر ریاست اپنے لوگوں میں سے صرف ایک فرد کی نامزدگی کرسکتی ہے۔

3۔ ابتدائی انتخاب معاہدہ نافذ العمل ہونے کی تاریخ کے چھ ماہ بعد منعقد کیا جائے گا۔ ہر انتخاب کی تاریخ سے تین ماہ قبل سیکرٹری جنرل اقوام متحدہ فریق ریاستوں کو ایک چٹھی لکھیں گے اور انہیں دو ماہ کے عرصے میں نامزدگیاں داخل کرانے کی دعوت دیں گے۔ نامزد ہونے والے تمام افراد کے ناموں کی فہرست سیکرٹری جنرل انگریزی حروف تہجی کی ترتیب میں تیار کریں گے اور چٹھی میں نامزدگی بھیجنے والی ریاستیں بھی ظاہر کی جائیں گی۔ یہ فہرست فریقوں کو ارسال کی جائے گی،

4۔ کمیٹی کے ارکان کا انتخاب سیکرٹری جنرل کی دعوت پر طلب کردہ فریق ریاستوں کے اجلاس میں اقوام متحدہ کے صدر دفتر میں ہوگا۔ اس اجلاس میں جس کی دوتہائی ارکان کی حاضری لازمی ہوگی، نامزد افراد میں سے ایسے ارکان کا انتخاب عمل میں لایا جائے گا جو زیادہ ووٹ حاصل کریں گے۔

5۔ کمیٹی کے ارکان 4 سال کی مدت کیلئے منتخب کئے جائیں گے، تاہم پہلے اجلاس میں منتخب شدہ 9 ارکان کی میعاد عہدہ دو سال پورے ہونے پر ختم ہوجائے گی، ابتدائی انتخاب کے فوراً بعد چیئرمین کمیٹی قرعہ اندازی کے ذریعے ان نو ارکان کا انتخاب کریں گے۔

6۔ کمیٹی کے پانچ اضافی ارکان کا انتخاب شق ہٰذا کے پیراگراف 2`3 اور 4 کے مطابق 35 ویں توثیق یا رکنیت کے حصول کے بعد کیا جائے گا۔ اس موقع پر منتخب ہونے والے دو اضافی ارکان کی میعاد دو سال پورے ہونے پر ختم ہوجائے گی ان دو ارکان کا انتخاب بھی کمیٹی کے چیئرمین قرعہ اندازی کے ذریعے پہلے کرچکے ہوں گے،

7۔ اتفاقیہ آسامی پر کرنے کیلئے وہ فریق ریاست اپنے شہریوں میں سے کسی ایک کی نامزدگی ارسال کرے گی جس کے نمائندے کی کمیٹی رکن کے طور پر میعاد ختم ہوچکی ہو تاہم یہ نامزدگی کمیٹی کی منظوری کے تابع ہوگی،

8۔ کمیٹی کے ارکان جنرل اسمبلی کی منظوری سے اقوام متحدہ کے مسائل سے ایسی شرائط کے تحت معاوضہ وصول کریں گے جن کا فیصلہ کمیٹی کی ذمہ داریوں کی افادیت کے پیش نظر جنرل اسمبلی کرے گی،

9۔ اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل موجودہ معاہدے کے مطابق کمیٹی کی کارکردگی کو موثر طور پر چلانے کیلئے ضروری عملہ اور سہولتیں فراہم کریں گے۔

شق۔18

1۔ فریق ریاستیں عہد کرتی ہیں کہ وہ اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کو کمیٹی میں زیر غور لائے جانے کیلئے ان تمام قانونی، عدالتی، انتظامی اور دیگر اقدامات کے بارے میں رپورٹ پیش کریں گی جو اس معاہدے کی شرائط پر عمل درآمد کیلئے یا اس ضمن میں پیش رفت حاصل کرنے کے لئے کئے گئے ہوں، یہ رپورٹ:۔

(ا) معاہدے میں شامل فریق ریاست اپنی شمولیت کے ایک سال بعد پیش کرے گی اور پھر

(ب) اس کے بعد ہر چار سال بعد یا جب کمیٹی طلب کرے، ایسی رپورٹ پیش کرتی رہے گی۔

2۔ رپورٹ میں ایسے عوامل اور مشکلات کی نشاندہی کی جائے گی جو معاہدہ ہٰذا کے تقاضوں کی بجا آوری میں رخنہ انداز ہو رہے ہوں،

شق۔19

1۔ کمیٹی اپنے قواعد وضوابط مرتب کرے گی،

2۔ کمیٹی اپنے افسروں کو دو سال کی مدت کے لئے منتخب کرے گی،

شق۔20

1۔ کمیٹی کے سالانہ اجلاس کی میعاد دو ہفتوں سے زائد نہیں ہوگی، اور اس میں معاہدہ ہٰذا کی دفعہ 18 کے تحت

پیش کردہ رپورٹوں پر غور کیا جائے گا،

2۔ کمیٹی کا اجلاس بالعموم اقوام متحدہ کے صدر دفتر میں یا سہولت کی غرض سے کمیٹی کے مقرر کردہ کسی دیگر مقام پر منعقد ہوگا،

شق۔21

1۔ کمیٹی اپنی سرگرمیوں کے بارے میں ہر سال اقتصادی و سماجی کونسل کے ذریعے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کو رپورٹ پیش کرے گی اور فریق ریاستوں کی طرف سے موصول ہونے والی رپورٹس اور معلومات کا جائزہ لے کر مناسب تجاویز اور سفارشات تیار کرے گی، ایسی تمام تجاویز اور سفارشات فریق ریاستوں کے تبصرے، اگر کوئی ہو، کے ہمراہ کمیٹی کی سالانہ رپورٹ میں شامل کی جائیں گی،

2۔ سیکرٹری جنرل کمیٹی کی یہ رپورٹس بغرض اطلاع ''خواتین کی حیثیت سے متعلق کمیشن'' کو ارسال کریں گے،

شق۔22

ماہرین کی ایجنسیوں کو نمائندگی کا استحقاق اس وقت دیا جائے گا جب معاہدہ ہذا کے تحت ان کے دائرہ کار میں آنے والی سرگرمیوں کے بارے میں ان کی تعمیلی رپورٹس زیر غور لائی جائیں گی، تاہم کمیٹی معاہدے پر عمل درآمد کے سلسلے میں ماہرین کو ان سرگرمیوں کے بارے میں کارکردگی رپورٹ پیش کرنے کی دعوت دے سکتی ہے جو ان کے دائرہ کار میں آتی ہوں،

حصہ ششم

شق۔23

معاہدہ ہذا میں شامل کوئی بھی امر خواتین اور مردوں کے درمیان برابری کے حصول کیلئے کی جانے والی کسی ایسی کارروائی یا اقدام پر اثر انداز نہیں ہوگا جو:۔

(ا) کسی فریق ریاست کی قانون سازی میں شامل ہو،

(ب) کسی ایسے بین الاقوامی معاہدے، میثاق یا عہد نامے میں شامل ہو جو متعلقہ فریق ریاست میں نافذ العمل ہو،

شق۔24

فریق ریاستیں عہد کرتی ہیں کہ وہ معاہدہ ہذا میں تسلیم کردہ حقوق کی مکمل قبولیت اور حصول کیلئے قومی سطح پر تمام ممکن اقدامات کریں گی،

شق۔25

1۔ معاہدہ ہذا تمام ریاستوں کو بغرض دستخط پیش کیا جا رہا ہے،

2۔ اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کو معاہدہ ہذا کے امین کی ذمہ داری سونپی گئی ہے،

3۔ معاہدہ ہذا پر عمل درآمد توثیق کے تابع ہے اور دستاویز توثیق سیکرٹری جنرل اقوام متحدہ کی تحویل میں دے دی جائیں گی،

4۔ معاہدہ ہذا تمام ریاستوں کے الحاق کیلئے کھلا رہے گا تاہم الحاق اس وقت اطلاق پذیر تصور کیا جائے گا جب الحاق کی دستاویزات سیکرٹری جنرل کے حوالے کر دی جائیں گی۔

شق۔26

1۔ کوئی بھی فریق ریاست معاہدہ ہذا پر کسی وقت بھی نظر ثانی کرنے کی استدعا کر سکتی ہے، تاہم اس مقصد کیلئے متعلقہ ریاست کو سیکرٹری جنرل اقوام متحدہ کے نام ایک تحریر دینا ہوگی،

2۔ اس قسم کی درخواست موصول ہونے پر ضروری اقدام۔

> معاہدہ ہذا کی تشریح اطلاق یا تاویل کے بارے میں دو یا زیادہ فریق ریاستوں کے مابین سر اٹھانے والا کوئی ایسا تنازعہ جو گفت وشنید سے طے نہ ہو سکے، ان میں سے کسی ایک ریاست کی درخواست پر ثالثی کیلئے پیش کیا جائے گا، اگر ثالثی کیلئے دائر کردہ درخواست کی تاریخ سے لے کر چھ ماہ کے اندر فریق ریاستیں ثالث ادارے کی تشکیل پر راضی نہ ہو سکیں تو ان میں سے کوئی ایک فریق ریاست حصول انصاف کیلئے تنازعہ عالمی عدالت انصاف میں عدالت کے قواعد وضوابط کے مطابق پیش کر سکتی ہے

اگر کوئی ہو، کرنے کا فیصلہ اقوام متحدہ کے جنرل سیکرٹری کریں گے،

شق۔27

1۔ معاہدہ ہذا کا عملی اطلاق اس تاریخ سے ایک ماہ (30 دن) بعد شروع ہو جائے گا جس تاریخ کو اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کو بیسویں توثیق کی دستاویزات یا 20 ویں الحاق کے کاغذات وصول ہوں گے،

2۔ تیسویں (30) توثیق کی دستاویزات یا 30 ویں الحاق کی دستاویز موصول ہونے کے بعد توثیق کرنے یا معاہدے میں شامل ہونے والی ریاست پر معاہدے کا اطلاق اس تاریخ کے تیس (30) دن بعد ہوگا۔ جس تاریخ کو اس (ریاست) نے توثیق کی بابت اپنی دستاویزات جمع کرائی ہوں یا معاہدے سے الحاق کا اعلان کیا ہو،

شق۔28

1۔ معاہدے کی توثیق یا اس سے الحاق کے وقت مختلف ریاستوں کی طرف سے اٹھائے جانے والے اعتراضات سیکرٹری جنرل اقوام متحدہ وصول کریں گے اور ان کا متن حسب ضرورت فریق ریاستوں کو جاری کریں گے،

2۔ معاہدے کے اغراض ومقاصد سے مطابقت نہ رکھنے والا کوئی اعتراض داخل کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی،

3۔ اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کے نام ارسال کردہ نوٹیفکیشن کے ذریعے اعتراضات کسی وقت بھی واپس لئے جا سکتے ہیں، ایسے نوٹیفکیشن کے بارے میں سیکرٹری جنرل تمام ریاستوں کو مطلع کریں گے۔ تاہم ایسے نوٹیفکیشن کا اطلاق اس تاریخ سے ہوگا جس تاریخ کو وہ سیکرٹری جنرل کے دفتر میں وصول ہوگا،

شق۔29

1۔ معاہدہ ہذا کی تشریح اطلاق یا تاویل کے بارے میں دو یا زیادہ فریق ریاستوں کے مابین سر اٹھانے والا کوئی ایسا تنازعہ جو گفت وشنید سے طے نہ ہو سکے، ان میں سے کسی ایک ریاست کی درخواست پر ثالثی کیلئے پیش کیا جائے گا، اگر ثالثی کیلئے دائر کردہ درخواست کی تاریخ سے لے کر چھ ماہ کے اندر فریق ریاستیں ثالث ادارے کی تشکیل پر راضی نہ ہو سکیں تو ان میں سے کوئی ایک فریق ریاست حصول انصاف کیلئے تنازعہ عالمی عدالت انصاف میں عدالت کے قواعد وضوابط کے مطابق پیش کر سکتی ہے،

2۔ معاہدہ ہذا پر دستخط کرنے، اس کی توثیق کرنے یا معاہدے سے الحاق کرتے وقت اگر کوئی فریق ریاست (چاہے تو) اس دفعہ کے پیراگراف (ا) کی پابندی نہ کرنے کا اعلان کر سکتی ہے، تاہم دوسری ریاستیں بھی اس قسم کا اعلان کرنے والی ریاست کے سلسلے میں مذکورہ پیرے کی پابند نہیں ہوں گی،

3۔ شق ہذا کے پیراگراف (2) کے تحت اعتراض یا اختلاف کا اعلان کرنے والی کوئی فریق ریاست اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کو نوٹیفکیشن ارسال کر کے اپنا اعتراض کسی وقت بھی واپس لے سکتی ہے۔

شق۔30

موجودہ معاہدہ جس کے عربی، چینی، انگریزی، فرانسیسی، روسی اور اطالوی زبانوں میں متن مساوی طور پر مستند ہیں، سیکرٹری جنرل اقوام متحدہ کی تحویل میں رکھا جائے گا۔

بلوچستان کے پامال ہوتے حقوق: یہ 8 دہائیوں کا قصہ ہے دو چار برس کی بات نہیں

آئی۔اے۔رحمان

ڈاکٹر شاہ محمد مری گزشتہ کئی برسوں سے بلوچ و بلوچستان کی تاریخ کو مرتب کرنے میں مصروف ہیں۔ حال ہی میں اس تاریخ کی چوتھی جلد شائع کی گئی ہے جس میں مذکورہ سیاسی جماعت کی تاریخ کو سمیٹا گیا ہے۔

مصنف کے مطابق 1917ء میں بلوچستان میں ایسے وقت میں سیاسی بیداری کے آثار نمودار ہونا شروع ہوئے جب کئی بلوچ ترکمنستان میں بسماچی کے خلاف آپریشن میں سرخ فوج کو مدد فراہم کر رہے تھے جبکہ چند دیگر نے 'باکو انٹرنیشنل کانفرنس آف ایسٹرن پیپلز' (Baku International Conference of Eastern Peoples) میں شرکت کی تھی۔

مصنف کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا کے طویل عرصے تک جنرل سیکریٹری رہنے والے پی سی جوشی پر عبور رکھنے والے عبدالقادر نظامانی کو نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ برِصغیر کے پہلے کمیونسٹوں میں بلوچوں کی ایک کثیر تعداد شامل تھی اور انہی میں سے ایک تاراچند بھی تھے جو غیر مسلم تھے۔

1920ء میں عبدالعزیز کرد نے ینگ بلوچ کے نام سے پہلا بلوچ سیاسی گروہ تشکیل دیا تھا۔ کچھ عرصے بعد اس گروہ کا نام تبدیل کرکے انجمن اتحاد بلوچاں رکھ دیا گیا۔

شاہ محمد مری کے مطابق یہ گروہ سیاسی دھڑا، تاجر اتحاد اور ادبی انجمن کا ملغوبہ سا تھا۔ یہ ایک زیرِ زمین کام کرنے والی جماعت تھی اور اس کے چند ارکان دیر رات تک جاری رہنے والی ملاقاتوں میں شرکت کے لیے رات کی تاریکی میں میلوں کا سفر طے کیا کرتے تھے۔ جب اس جماعت نے منظر عام پر آنے کا فیصلہ کیا تو شاعر، افسانہ نگار، جوش و جذبے سے بھرپور شخصیت کے مالک اور تاریخِ بلوچستان کے ایک کرشماتی کردار یوسف عزیز مگسی کو صدر منتخب کیا گیا۔

1931ء میں منعقدہ پارٹی کے پہلے کھلے اجلاس میں مندرجہ ذیل مقاصد اختیار کیے گئے:

☆ سرداری نظام کا خاتمہ
☆ کئی ٹکڑوں میں بٹے بلوچستان کی وحدت اور آئینی و جمہوری نظامِ حکومت کی بحالی
☆ بلوچستان میں تعلیمی سہولیات میں اضافہ
☆ استحصالی خیالات سے پاک اسلامی معاشرے کا قیام

جب یوسف مگسی کی ملاقات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں زیرِ تعلیم محمد امین کھوسہ سے ہوئی تو ان کی گفتگو کے نتیجے میں بلوچستان، سندھ اور پنجاب کے نامور بلوچوں کو ایک جگہ اکٹھا کرنے کے خیال نے جنم لیا۔ یوسف مگسی اور ان کے ساتھیوں کی انتھک کوششوں کی نتیجے میں 1932ء میں جیکب آباد میں 28 تا 30 دسمبر آل انڈیا بلوچ کانفرنس کا انعقاد ہوا۔

اس کانفرنس کے پہلے دن مندرجہ ذیل قراردادوں کو منظور کیا گیا۔

☆ کانفرنس کا نام بدل کر بلوچستان و آل انڈیا بلوچ کانفرنس رکھا گیا۔
☆ سندھ کی بمبئی سے علیحدگی کا خیر مقدم کیا گیا۔
☆ سیاہ کاری کی رسم جس کے تحت مجرم کو اپنی بہن یا بیٹی کا رشتہ متاثرہ خاندان کو دینے پر مجبور کیا جاتا تھا اس کی مذمت کی گئی اور اس کے خاتمے کا مطالبہ کیا گیا۔
☆ عصمت فروشی کے اڈوں کی بندش پر زور دیا گیا۔ کانفرنس نے لب اور ولوار کی رسم کے خاتمے اور حکام سے تعلیمِ نسواں کے کاز کو فروغ دینے کا مطالبہ کیا۔

شاہ محمد مری کے مطابق یہ گروہ سیاسی دھڑا، تاجر اتحاد اور ادبی انجمن کا ملغوبہ سا تھا۔

☆ حکام سے یہ بھی مطالبہ کیا گیا کہ متوفی شخص کے اہلِ خانہ میں شامل بیواؤں/ دیگر خواتین کو 'گھر کے برتنوں کی طرح' متوفی شخص کے ورثا کے حوالے کرنے کی روایت پر پابندی عائد کی جائے، اور خواتین کے شرعی حقوق کو تسلیم کیا جائے۔

(مصنف اس حقیقت پر زور دیتے ہیں کہ ایک دن میں اختیار کردہ 9 قراردادوں میں سے 5 قراردادیں حقوقِ نسواں کے بارے میں تھیں۔)

بعد ازاں مندرجہ ذیل قراردادوں کو بھی منظور کیا گیا:

☆ مکران کے کسانوں کو بیراجی زمین الاٹ کی جائے۔
☆ عدالتی مقدمات کی تاخیر سے تکمیل کی شکایت دُور کی جائے۔
☆ بالائی سندھ میں لاگو کردہ فرنٹیئر ریگولیشن کا خاتمہ کیا جائے۔
☆ آئینی حکومت کے تحت گورنر کے زیرِ انتظام بلوچستان صوبے کا قیام عمل میں لایا جائے۔
☆ تعلیم کے فروغ کے لیے 8 نکاتی پروگرام پر عمل درآمد کیا جائے
☆ آزادانہ انتخابات کے ذریعے کوئٹہ میونسپلٹی کے ارکان کو چنا جائے۔

کانفرنس کے سلسلے میں پہلا قدم بھلے ہی بلوچ رہنماؤں نے اٹھایا تھا لیکن وہ دیگر تمام لسانی برادریوں کو اپنی سیاسی جماعت میں شامل کرنے کے خواہاں تھے۔ یہ سیاسی جماعت عبدالصمد اچکزئی کی شخصیت کو عزت و احترام کی نظر سے دیکھتی تھی۔ جس وقت عبدالعزیز کرد نے اپنا زیرِ زمین گروہ تشکیل دیا تھا اس وقت عبدالصمد اچکزئی اپنی سیاسی جدوجہد کے باعث پہلے ہی جیل میں قید تھے۔

کانفرنس نے 'بلوچستان و آل انڈیا بلوچ کانفرنس' کے نام کے ساتھ ایک سیاسی جماعت کے طور پر کام کرنے کا فیصلہ کیا۔

بلوچستان، سندھ، پنجاب، اتر پردیش اور دہلی کے مختلف اضلاع اور قلات، خیر پور اور بہاولپور ریاستوں کے نمائندہ ارکان پر مشتمل پارٹی کا ایگزیکٹو بورڈ تشکیل دیا گیا۔ عبدالصمد اچکزئی کو پارٹی کا نائب صدر مقرر کیا گیا (جبکہ نواب خیر پور کو صدر بنایا گیا)۔ ساتھ ہی ساتھ انہیں پارٹی کی آئین ساز ذیلی کمیٹی کا سربراہ بھی مقرر کیا گیا۔ پارٹی کی ورکنگ کمیٹی سمیت دیگر کمیٹیوں میں نامزد پختونوں میں نواب محمد خان جوگزئی اور سردار غلام محمد ترین بھی شامل تھے۔

جیکب آباد میں منعقدہ کانفرنس کے بعد جب یوسف عزیز مگسی قبیلے کے سردار بنے تو انہوں نے اپنے علاقے میں کانفرنس کی پیش کردہ تجاویز میں سے چند ایک کو متعارف کروادیا۔

پارٹی کی دوسری سالانہ کانفرنس 1933ء میں 26 تا 28 دسمبر حیدرآباد میں منعقد ہوئی۔ قلات کے پولیٹیکل ایجنٹ نے یوسف عزیز کو کانفرنس میں شرکت کرنے سے منع کیا مگر انہوں نے اس حکم کو نظر انداز کردیا۔

اس کانفرنس میں اختیار کردہ قراردادوں میں سے ایک عبدالصمد اچکزئی نے پیش کی جس میں بلوچستان میں آئینی اصلاحات کا مطالبہ کیا گیا جبکہ دوسری قرارداد میں خواتین کو ان کے جائز وراثتی حصے سے محروم رکھنے والے سرداری نظام کے خاتمے کا مطالبہ کیا گیا۔ عبدالصمد اچکزئی کے زیرِ دستخط آئینی اصلاحات کا مسودہ مشترکہ پارلیمانی کمیٹی کو بھیجا گیا۔

پھر بلوچستان اور قلات کے حکام نے پارٹی کو کچلنے کا فیصلہ کیا۔ عبدالعزیز کرد کو 5 برس کے لیے جیل میں بند کردیا گیا جبکہ عبدالصمد اچکزئی کو مچھ جیل میں قید کیا گیا اور یوسف مگسی کو جبری طور پر انگلینڈ جلاوطن کردیا گیا۔ جس کے بعد کانفرنس غیر فعال ہوکر رہ گئی۔ یوسف مگسی مئی 1935ء میں کوئٹہ میں آنے والے زلزلے کی زد میں آکر جاں بحق ہوگئے، اس وقت ان کی عمر صرف 27 برس تھی۔

گزشتہ 8 دہائیوں سے مسلسل بلوچستان کے عوامی مفادات کی مخالف دغاباز اور بیرونی قوتیں 1932ء کے لائحہ عمل کا گلا گھونٹنے میں مصروف رہی ہیں لیکن عبدالصمد اچکزئی، یوسف عزیز مگسی، عبدالعزیز کرد، ایم امین کھوسہ اور ان کے ساتھیوں کی قربانیوں کے باعث یہ لائحہ عمل آج بھی زندہ ہے۔

بلوچستان میں جمہوری و آئینی نظام کے قیام، سرداری نظام کے خاتمے اور 1930ء کی دہائی میں حقوقِ نسواں کا مطالبہ کرنے والے سیاستدان عوامی ہیروز کہلانے اور دھرتی کے عظیم کرداروں میں شمار کیے جانے کے مستحق ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ اپنا خواب زندہ رکھنے کی خاطر ہر طرح کی بدنامی کو قبول کرنے والے لوگ سلام کے مستحق ہیں۔ (بشکریہ ڈان)

بہت بڑی تکلیف

عارف حسن

میں نے، اپنی پود کے کئی اور لوگوں کی طرح، دستور کی پامالی، اختلاف رائے کو دبانے اور ناشائستہ معاشرتی مراعات، تشدد اور غربت کو فروغ دینے والی پاکستانی اسٹیبلشمنٹ کی پالیسیوں پر سوال اٹھاتے عمر گزاری ہے۔ یہ حقیقت آج کل کے پاکستان میں سمجھنا مشکل بنتا جا رہا ہے کہ اس طرح کے سوالات حب الوطنی کے شدید جذبے کا نتیجہ تھے اور ہیں۔

اس کے علاوہ، یہ چیز میرے لیے بڑی تکلیف دہ ہے کہ میں ریاستی پالیسیوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتا یا صرف ان کے بارے میں اندازہ ہی لگا سکتا ہوں۔ مثال کے طور پر، کشمیر کی حمایت میں آئے دن دیے جانے والے بیانات اور احتجاجی مظاہروں کے سوا، مجھے نہیں پتا کہ کشمیر پر حکومت کی پالیسی کیا ہے۔

متضاد چیزوں اور خبروں کی وجہ سے، مجھے نہیں علم کہ ہم اب بھی افغانستان میں اسٹریٹجک گہرائی کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ سرکاری بیانات سے مجھے پتا چلا ہے ہم اپنی سرزمین کسی علاقائی کشیدگی کے لیے استعمال نہیں ہونے دیں گے، مگر مجھے خطے کے مختلف مقامات پر اپنے فوجی دستوں کی موجودگی کا علم ہے۔ مجھے پتا ہے کہ سعودی عرب نے ہمیں ملیشیا میں اسلامی کانفرنس میں شامل ہونے سے روکا تھا، مگر مجھے نہیں پتا کہ ہماری شمولیت کو روکنے کے لیے کیا حربہ استعمال کیا گیا۔

مجھے جبری گمشدگیوں کا علم ہے، مگر میں ان کی وجوہات کے بارے میں صرف اندازہ ہی لگا سکتا ہوں۔ البتہ، مجھے نہیں پتا کہ گمشدہ لوگوں کو کہاں لے جایا جاتا ہے اور بعد میں کن شرائط پر انہیں چھوڑا جاتا ہے۔ میں صرف قیاس ہی کر سکتا ہوں کہ ہم مستقل طور پر مردم شماری کیوں نہیں کرواتے اور مردم شماری کے نتا؟ ئج میں بظاہر اتنی ساز باز کیوں ہوتی ہے۔ سی پیک کے متعلق مختلف آراء میری نظر سے گزرتی ہیں؛ اس کی مخالفت میں کچھ آراء تفصیلات اور اعداد و شمار کے ساتھ پیش ہوتی ہیں۔ مگر، افسر شاہی نے اعداد و شمار کا سہارا لے کر ان کی نہ تو تائید اور نہ ہی تردید کی ہے۔

ایک انتہائی جلد بازی کے طریقہ کار کے ذریعے، مسلح افواج کے سالاروں کی ریٹائرمنٹ عمر 60 سے بڑھا کر 64 برس کر دی گئی ہے۔ اگر مصالحت تقاضا کرے تو کیا اسی طرح کے طریقہ کار سے دوبارہ عمر میں اضافہ یا کمی ہو سکتی ہے؟

مجھے نہیں پتا کہ حکومت نے لیفٹ بینک اور رائٹ بینک آؤٹ فال ڈرینز جیسے منصوبوں کی ناکامی پر عالمی مالیاتی اداروں کے ساتھ معاملات کیسے طے کیے ہیں، نہ مجھے قرضے کی تفصیلات کا علم ہے جو عالمی بینک نے کراچی کی ترقی کے لیے دیا ہے اور نہ ہی میں ان منصوبوں کی ساخت اور نفاذ کے طریقہ کار کے بارے میں جانتا ہوں جن کی نشاندہی کی گئی ہے۔ مجھے علم ہے کہ تھر میں کوئلے کا منصوبہ ضلع کو تباہ کر رہا ہے، مگر مجھے نہیں پتا کہ توانائی کے لیے کوئلہ استعمال کرنے کا فیصلہ کیوں اور کیسے کیا گیا جب دنیا اس سے آگے بڑھ رہی ہے۔

ایک انتہائی جلد بازی کے طریقہ کار کے ذریعے، مسلح افواج کے سالاروں کی ریٹائرمنٹ عمر 60 سے بڑھا کر 64 برس کر دی گئی ہے۔ اگر مصالحت تقاضا کرے تو کیا اسی طرح کے طریقہ کار سے دوبارہ عمر میں اضافہ یا کمی ہو سکتی ہے؟

مجھے پاکستان میں مذہب کی توہین کی نوعیت اور ملزمان جس کرب سے گزرتے ہیں اس کا پتا ہے مگر مجھے سمجھ نہیں آتی کہ وہ اپنی قسمت کے فیصلے کے بغیر برسوں تک جیل میں کیوں پڑے رہتے ہیں؟ کیا ایسا طرف قانونی نظام کی نااہلی کی وجہ سے ہے؟

مجھے پتا ہے کہ ڈویلپرز اور ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی جبر کے خوفناک عمل کے ذریعے ہمارے شہروں کے اردگرد اراضی ہتھیا رہے ہیں، ماحولیات کو بدترین نقصان پہنچا رہے ہیں اور غربت کو فروغ دے رہے ہیں، مگر میں اس سب کچھ کے نہ رکنے کی وجہ کا صرف اندازہ ہی لگا سکتا ہوں۔ لوگ ہر روز پولیس مقابلوں میں مرتے ہیں، مگر میں ان کی وجوہ اور ان کے وقوع پذیر ہونے کے مختلف مراحل کو سمجھنے سے قاصر ہوں۔

مجھے بلوچستان کی 'شورش' کی حقیقت کے متعلق علم نہیں کیونکہ ذرائع ابلاغ میں اور صوبے کے سیاستدانوں کی طرف سے اس کے بارے میں متضاد بیانات سامنے آتے ہیں۔

اسی دوران، ہر برس ہزاروں افراد سڑک اور ریل کے حادثات اور سیلاب سے مر جاتے ہیں جن پر قابو پانا ممکن ہوتا ہے اور فیکٹریوں میں آگ لگنا معمول بن گیا ہے جس میں جھلس کر ہلاک ہو جاتے ہیں۔ مقامی حکام کی منظور کردہ عمارتیں گر جاتی ہیں اور وہاں رہائش پذیر لوگوں کی ہلاکت کا

سبب بنتی ہیں۔ نئی تعمیر ہونے والے ڈھانچوں کو بارشیں بہا لے جاتی ہیں جو کبھی دوبارہ تعمیر نہیں ہو پاتیں۔ سرکاری ہسپتالوں میں ادویات، آلات، یا افرادی قوت کا فقدان ہے اور نجی شعبے کی سہولیات عوام کی پہنچ سے دور ہیں جس کی وجہ سے وہ ریلیف کے لیے پیروں اور جادو ٹونے کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ صحت اور تعلیم کے بجٹ کا مکمل خرچ نہیں ہو پاتا، جبکہ سول سوسائٹی اور منصوبہ ساز ان شعبوں کے لیے اضافی فنڈز کا مطالبہ کرتے ہیں۔

جیسے جیسے عورتوں کی خودمختاری میں اضافہ ہو رہا ہے، غیرت کے نام پر قتل میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ تبدیلیوں کو قابل قبول بنوانے کے لیے اس ملک کے دانشور اور ذرائع ابلاغ نئی سماجی اقدار کو فروغ دینے میں ناکام ہیں۔

عوام کی سہولت کے لیے مختص کے گئے پلاٹوں پر تجارتی ترقی اور اور غیر قانونی طریقے سے لی گئی سرکاری اراضی پر بااثر عناصر کی تجاوزات کو باضابطہ قرار دے دیا جاتا ہے، مگر کچی آبادیوں اور غریب کی تجارتی سرگرمیوں کو آئے دن مسمار کیا جا رہا ہے۔ مسائل کی فہرست نہ ختم ہونے والی ہے۔

اس سارے منظرنامے پر غالب ہمارے سیاسی نمائندے ہیں جنہوں نے بعض مستثنیات کے ساتھ، نامہذب، غیر منطقی اور بدزبان سیاسی ثقافت کو فروغ دیا ہے جو ہمارے الیکٹرانک ذرائع ابلاغ تک سرایت کر چکا ہے۔ یہ اور اصل حقیقت جو مجھے معلوم نہیں، اس تکلیف کا سبب ہیں جس میں نے پہلے تذکرہ کیا ہے

جمہوری بالادستی پر مبنی پاکستان کی واحد امید نئی قیادت ہے جو میرے خیال میں تعلیمی اداروں میں یونینوں کی تشکیل اور فروغ کے ذریعے ہی سامنے آ سکتی ہے۔

(انگریزی سے ترجمہ، بشکریہ ڈان)

اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کی حکومت پاکستان کو کارآمد نصیحت

عرفان احمد خان

قوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل انتونیوگوتریس (Guterres António) گزشتہ دنوں پاکستان کے دورے پر تھے جہاں انہوں نے بابا گورونانک کے مزار پر بھی حاضری دی اور کرتار پور راہداری کے کھولے جانے والے اقدام کو سراہا۔ پاکستان گزشتہ کئی سال سے دہشت گردی کے حوالے سے عالمی راہنماؤں کی طرف سے تنقید کا سامنا کر رہا ہے اس لیے مہمانوں کی طرف سے کیا جانے والا کوئی بھی مثبت تبصرہ ہماری ریاست کے حکمرانوں کے لیے بہت زیادہ خوشی کا موجب بن جاتا ہے۔ اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل نے جو کہا اس پر حقوق انسانی اور اقلیتی امور کی وزیر شیریں مزاری نے تو خاموشی اختیار کیے رکھی البتہ حکومتی ترجمان فردوس عاشق اعوان اور پنجاب اسمبلی کے سپیکر پرویز الٰہی نے جو کہا اس کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ فردوس عاشق اعوان کا کہنا ہے کہ حکومت نے اقلیتوں کو سینے سے لگا رکھا ہے اور ان کے ہر حق کی فراہمی کو یقینی بنایا ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ حکومت نے اپنی من پسند اقلیتوں کو شاید سینہ سے لگایا ہو لیکن حقوق انسانی کمیشن آف پاکستان کا ماہانہ رسالہ جو بیان کرتا ہے اس سے فردوس عاشق اعوان کے بیان کی نفی ہوتی ہے۔ جس دن وزیر صاحبہ نے سینے سے لگانے والا بیان داغا اس روز قصور کے نواحی گاؤں میں حکومتی کارندوں نے سو سال سے زیر استعمال مسجد کو ایک 'مذہبی اقلیت' جو اپنے آپ کو مسلمان قرار دیتے ہیں سے چھین کر سرکاری مسلمانوں کی تحویل میں دے دیا۔ اس حوالے سے جماعت احمدیہ کے ترجمان سلیم الدین احمد کی پریس ریلیز ملاحظہ ہو (جس کا اخبارات نے بائیکاٹ کیا)

''چند شر پسند عناصر کی خوشنودی کے لیے سرکاری انتظامیہ نے احمدیوں کی عبادت گاہ حملہ آور ہجوم کے منتظمین کے حوالے کر دی۔ جبکہ اس سے پیشتر احمدیوں پر دباؤ ڈالا جاتا رہا کہ وہ از خود عبادت گاہ سے دستبردار ہو جائیں۔ یہ عبادت گاہ گزشتہ سو سال سے زائد عرصہ سے جماعت احمدیہ کے زیر انتظام ہے۔ ...'' پریس ریلیز کے مطابق اس حوالہ سے اعلیٰ سرکاری حکام کو خطوط لکھے گئے اور درخواست کی گئی کہ انصاف کے تقاضے پورے کرتے ہوئے احمدیوں کو ان کی اس مسجد سے محروم نہ کیا جائے مگر تا حال اس ضمن میں کوئی بھی مثبت پیش رفت دیکھنے میں نہ آئی۔ پریس ریلیز میں کافی تفصیل ہے جس کو سمونے کی کالم میں گنجائش نہیں۔ لیکن جن زیادتیوں، محرومیوں اور حکومتی بے حسی کا ذکر اس پریس ریلیز میں ملتا ہے یہ ان حکمرانوں کے خلاف ایف۔آئی۔آر (F.I.R) ہے جو کہتے ہیں کہ حکومت نے اقلیتوں کو سینے سے لگا رکھا ہے۔ اس بہیمانہ ظلم سے ملتے جلتے واقعات کی اطلاعات آئے دن موصول ہوتی رہتی ہیں۔ مثلاً جلالپور جٹاں میں مسجد کی چھت ڈالی جا رہی تھی کہ حکومتی کارندوں نے آ کر کام روکنے کا حکم نامہ جاری کر دیا۔ مردان میں مسمار کی جانے والی مسجد کی دوبارہ تعمیر کرنے کی درخواست دینے پر مظاہروں کا سلسلہ چل نکلا۔ جس کی قیادت تحریک انصاف کے رہنما، کونسلر ساجد اقبال مہمند کر رہے تھے۔ جس کو فخر کے ساتھ ٹی وی پر بھی دکھایا گیا۔ جوہر ٹاؤن لاہور کی بیت الرحمان میں صرف ان احمدیوں کو عبادت کی اجازت ہے جو اس گلی میں رہائش پذیر ہیں۔ ہر نماز کے وقت مسجد کے باہر ختم نبوت کے کارندے کنٹرول کرنے کے لیے موجود ہوتے ہیں جن کو علاقے کی انتظامیہ نے اس حرکت کی اجازت دے رکھی ہے۔ وفاقی وزیر پارلیمانی امور اعظم سواتی نے ٹی وی مذاکرہ میں جو زبان درازی کی اس کا کسی ریگولیٹری اتھارٹی نے کوئی نوٹس نہیں لیا۔ ابھی دو روز پہلے ڈسکہ میں ایک گرلز سکول کی ویڈیو گردش میں تھی جس میں صبح سکول اسمبلی میں بچوں سے فرقہ وارانہ نفرت آمیز فقرات دہروائے جا رہے ہیں۔ ایک ویڈیو میں پولیس افسران ہال میں سامنے صوفہ سیٹ پر بطور مہمان خصوصی براجمان ہیں اور مقرر احمدیوں کو پاکستان سے چلے جانے اور بصورت دیگر برے انجام کی دھمکیاں دے رہا ہے۔ بیت المال کی رقوم سے چلنے والے ہسپتالوں میں مریضوں سے فارم پر کروایا جا رہا ہے کہ ان کا تعلق شیعہ یا احمدیہ کمیونٹی سے نہیں ہے۔ یہ ہے اس ملک کی ہلکی سی تصویر جس کے حکمران ملک کو میثاقِ مدینہ کے اصولوں پر چلانے کے دعویدار اور مذہبی اقلیتوں کو سینے سے لگائے پھرتے ہیں۔

> معاشی طور پر چینی، آٹے کے بحران اور مہنگائی نے لوگوں کا جینا حرام کر رکھا ہے۔

پاکستان جن وجوہات کی بنا پر دنیا میں اکیلا ہوتا جا رہا ہے ان کی بنیادی وجوہات میں انتہا پسندی، مذہبی جبر اور مذہبی آزادی کا فقدان شامل ہیں۔ پاکستان کو فنانشل ایکشن ٹاسک فورس کے اجلاس میں گرے لسٹ سے نکلنے کے لیے بارہ ممالک کی حمایت حاصل نہ ہو سکی۔ اقوام متحدہ کی جانب سے کالعدم قرار دی جانے والی تنظیموں کے خلاف حکومت وہ ایکشن نہیں لے رہی جس کا مطالبہ اقوام متحدہ کے ممبر ممالک کر رہے ہیں۔ ابھی حال ہی میں ایک عالمی ادارے نے اپنی رپورٹ میں پاکستان کے بارے میں لکھا ہے کہ وہاں کے ماحول میں خوف، ناکافی مشاورت، عدم تعاون، اندرونی رسہ کشی، باہمی تعلقات میں بگاڑ، ناکافی اقدامات، ایک ٹیم بن کر کام کرنے کا فقدان اور سیاسی عدم اتفاق جیسے مسائل پائے جاتے ہیں۔ معاشی طور پر چینی، آٹے کے بحران اور مہنگائی نے لوگوں کا جینا حرام کر رکھا ہے۔ پیاز، آلو، ٹماٹر اس زمین سے خریدنے پر مجبور ہیں جس کو چھوڑ کر ہمارے آباواجداد نے پاکستان کا رخ کیا تھا۔ حکومت کو اپنی استعدادیں ان مسائل کو حل کرنے پر صرف کرنی چاہئیں نہ کہ مذہبی نام نہادوں کے مطالبات کو پورا کرنے پر۔ پاکستان کی تاریخ گواہ ہے کہ نہ تو ان مذہب کے ٹھیکیداروں کے مطالبات کبھی ختم ہوئے اور نہ یہ کسی حکمران سے راضی رہے۔ ان کا مقصد ملک میں بدامنی کا ماحول برقرار رکھنا اور غیر تعلیم یافتہ لوگوں کو مذہب کے ڈراوے دے کر اپنی روٹی چلانا ہے۔ شاید اسی لیے اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل نے لمز (LUMS) یونیورسٹی میں تقریر کے دوران تعلیم پر زور دینے اور پاکستانی سکولوں میں نصابِ تعلیم تبدیل کرنے کا مشورہ دیا ہے۔ جس کو فردوس عاشق اعوان اپنی بریفنگ میں گول کر گئیں۔

جہاں تک احمدیوں سے ان کی عبادت گاہوں کو چھیننے کا تعلق ہے۔ تو آج اور آنے والے کل کے حکمرانوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ یہ ہر مذہب کے ماننے والوں کا بنیادی حق ہے کہ وہ اپنی عبادت گاہ قائم کریں اور اپنا مذہبی تشخص برقرار رکھیں۔ معبد خدا کے ساتھ انسان کے تعلق کا اظہار ہے۔ جو ہر مذہب کے پیروکاروں کی ضرورت ہے۔ اسلام میں مذہبی آزادی کی اتنی اہمیت ہے کہ وہ مذہبی جبر کو فتنہ کہتا اور اس فتنے کے خلاف تلوار اٹھانے کو بھی جائز قرار دیتا ہے۔

احمدی خلافتِ احمدیہ کی بے مثال قیادت کے زیرِ سایہ پاکستان سمیت دنیا کے ہر ملک کے پر امن شہری ہیں۔ وہ کبھی بھی ظلم کا جواب ظلم سے نہیں دیں گے، کسی جبر و استبداد کے آگے تلوار نہیں اٹھائیں گے لیکن احمدیہ مساجد پر قبضہ کرنے والوں اور ان کا ساتھ دینے والوں کو نہیں بھولنا چاہیے کہ خدا کی لاٹھی بے آواز ہے۔

(بشکریہ الفضل)

درخواست بنام

ڈائریکٹر صاحبہ، ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان

فیصل آباد عنوان: آبادی جھنڈا/سنگھ عبداللہ پل سمندری روڈ فیصل آباد کے رہائشیوں کی طرف سے گھروں کے سیور کا پانی، کوڑا کرکٹ، بھینسوں کا گوبر اور بھینسوں کے فوت شدہ بچوں کو چھوٹی نہر (سوہا) میں بہانے کی بنا پر آبی، فضائی اور زمینی آلودگی پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ مقامی گاؤں کے کسانوں کی طرف سے مجبوراً زہریلے پانی سے سبزیوں، پھلوں اور چارے کو سیراب کرنے اور فروخت کے لیے دھونے پر ممکنہ تحفظات کا اظہار۔

متعلقہ ذمہ داران محکمے:

1۔محکمہ انہار، فیصل آباد، 2۔محکمہ ماحولیات، فیصل آباد، 3۔پنجاب فورڈ اتھارٹی، فیصل آباد، 4۔محکمہ واسا، فیصل آباد، 5۔فیصل آباد سولڈ ویسٹ مینجمنٹ کمپنی، فیصل آباد۔

جناب عالی! انتہائی ادب سے التماس ہے کہ فیصل آباد محکمہ انہار کے دائرہ کار میں آنے والی ایک نہر (رکھ برانچ) فیصل آباد میں واقع سمندری روڈ کے ساتھ ساتھ بہتی ہے۔ سمندری روڈ پر عبداللہ پل کے مقام پر اس نہر (رکھ برانچ) فیصل آباد میں واقع سمندری روڈ کے ساتھ ساتھ بہتی ہے۔ سمندری روڈ پر عبداللہ پل کے مقام پر اس نہر سے ایک چھوٹی نہر نکالی گئی ہے جو کہ آبادی جھنڈا سنگھ سے گزرتے ہوئے آبادی جھنڈا سنگھ کی زمین کو سیراب کرنے کے ساتھ ساتھ چک نمبر 232 ر۔ب باوے والی، چک نمبر 233 رب ہری سنگھ والا اور باقی ماندہ گاؤں کی زمینوں کو سیراب کرتی ہے۔ مندرجہ بالا سطور میں ذکر کیے گئے محکموں کے آپریشن فیلڈ میں موجود آفیسرز اور نوجوانوں کی اپنے فرائض میں مسلسل عدم دلچسپی کی بنا پر آبادی جھنڈا سنگھ کے رہائشی درج ذیل امور سرانجام دے رہے ہیں۔ جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

1۔مقامی افراد نے اپنے گھروں کے سیور (واسا/گندے) پانی کے پائپ براہ راست اسی چھوٹی نہر میں ڈال رکھے ہیں۔ 2۔مقامی افراد اپنے گھروں کا کوڑا کرکٹ اس چھوٹی نہر میں پھینک رہے ہیں۔ 3۔نہر کے دونوں کنارے بھینسوں کے کئی فارم ہیں۔ جن کا فضلہ اسی چھوٹی نہر میں پائپوں کے ذریعے جاتا ہے۔ اور بھینسوں کا گوبر نہر میں بہا دیا جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے نہر کا بہت بڑا حصہ گوبر کی تہ سے بھر چکا ہے۔ اور مرنے والی مردہ بھینسوں کو بھی اسی نہر میں بہا دیا جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے نہر کا پانی بہت ہی آلودہ ہو چکا ہے۔ 4۔مقامی کسان بہت سارے مسائل سے دوچار ہیں۔ مقامی کسان اپنے کھیتوں میں اس زہریلے اور گندے پانی کی وجہ سے مجبوراً مضر صحت سبزیاں، پھل اور چارہ کاشت کرنے پر مجبور ہیں۔ کسان ان سبزیوں کو گندے اور زہریلے پانی میں دھو کر سبزی منڈی میں فروخت کے لیے بھیج رہے ہیں۔ جس کی وجہ سے انسانوں میں جگر کی بیماریاں جنم لے رہی ہیں۔

گرین پنجاب اور گرین پاکستان کے پروگرام کو عملی جامہ پہنانے اور آبی مخلوق کی بقا کے لیے آپریشن فیلڈ میں موجود آفیسرز کو ایسے تمام افراد کے خلاف بلاتفریق محکمہ کارروائی کرنے کے احکامات صادر فرمائے اور محکموں کی قیادت کو تحریری طور پر آگاہ کیا جائے کہ وہ بھی آبی، فصائی، اور زمینی آلودگی پر قابو پانے کے سلسلہ میں اپنے محکمانہ فرائض کو احسن طریقے سے سرانجام دیں۔ آپ کے تعاون کا پیشگی شکریہ۔

(پروفیسر نوید اختر (ایم۔اے، ایم۔ایڈ)، (شوشل ورکر)، چک نمبر 232 رب۔ سمندری روڈ، فیصل آباد، موبائل نمبر: 03016074620)

پی ٹی ایم مظاہرین کے خلاف بغاوت کا مقدمہ درج کرنے پر جواب طلب

اسلام آباد اسلام آباد ہائی کورٹ کے چیف جسٹس اطہر من اللہ نے پشتون تحفظ موومنٹ (پی ٹی ایم) کے رہنما منظور پشتین کی گرفتاری پر احتجاج کرنے والوں کے خلاف بغاوت کا مقدمہ درج کرنے پر اسلام آباد پولیس اور ضلعی انتظامیہ سے جواب طلب کر لیا۔ پی ٹی ایم اور عوامی ورکرز پارٹی کے 23 کارکنان کی گرفتاری کے خلاف ضمانت سے متعلق درخواست پر ہونے والی سماعت پر عدالت نے ڈپٹی کمشنر اور اسلام آباد پولیس کے آئی جی کو طلب کیا تھا۔ جسٹس اطہر من اللہ نے اپنے چیمبر میں مقدمے کی سماعت کی جہاں بابر ستار، نثار شاہ اور سکندر نعیم نے زیر حراست پی ٹی ایم کے کارکنوں کی نمائندگی کی۔ عدالت نے ڈپٹی کمشنر اور آئی جی سے مذکورہ کارکنوں کی گرفتاری سے متعلق ریکارڈ طلب کر لیا۔

عدالت نے حکم دیا کہ دونوں 3 فروری کو صبح 10 بجے ریکارڈ کے ساتھ ذاتی طور پر پیش ہوں اور اس بات کی وضاحت پیش کریں کہ ایف آئی آر میں کس قانون کے تحت بغاوت کی دفعات شامل کی گئیں اور پرامن انداز میں احتجاج کا حق استعمال کرنے والے درخواست گزاروں کو ضمانت پر کیوں رہا نہیں کیا گیا۔ درخواست گزاروں کے وکیل عمار راشدی اور دیگر نے چیف جسٹس کو بتایا کہ درخواست گزاروں کے خلاف مقدمے کا اندراج بدنیتی پر مبنی ہے۔ انہوں نے ایڈیشنل ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن کورٹ کی جانب سے زیر حراست ملزمان کی درخواستِ ضمانت مسترد کیے جانے پر بھی اعتراض اٹھاتے ہوئے کہا کہ یہ قانون کے طے شدہ اصولوں سے مطابقت نہیں رکھتا، یہ انصاف کی فراہمی کی ناکامی اور غیر مسلح پرامن شہریوں کے خلاف غداری کے مقدمے کا اندراج، اختیارات کا غلط استعمال ہے۔ دلچسپ امر یہ کہ پولیس نے ایف آئی آر میں انسداد دہشت گردی قانون 1997 کی کوئی دفعہ شامل نہیں کی لیکن جج نے درخواست ضمانت کے فیصلے کے آخری پیراگراف میں کہا کہ مجھے یہ کہنے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں کہ یہ وہ مقدمہ ہے جس میں انسداد دہشت گردی کی دفعہ 7 کا پوری قوت کے ساتھ اطلاق ہوتا ہے لہٰذا یہ عدالت اس درخواست ضمانت کا فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں رکھتی۔ جج نے حکمنامے میں تحریر کیا کہ مذکورہ ایف آئی آر سے انکشاف ہوتا ہے کہ پاکستان اور اس کی فوج پر الزامات لگائے گئے اور نعرے بازی کی گئی اور اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ عمل یقینی طور پر حکومت کو ڈرانے دھمکانے اور دباؤ ڈالنے کے مترادف ہے اور اسی عمل نے بظاہر عوام میں خوف اور عدم تحفظ کی فضا پیدا کی۔

(بشکریہ ڈان)

ع//ایک بہادر عورت کی موت

ہمیں زبانی یاد رہتا ہے شجرِ نسب
اپنے محبوب، اور نا محبوب سیاستدانوں کا
مکمل ٹریک ریکارڈ ہو گا ہمارے پاس
فرسٹ سیکنڈ تھرڈ کلاس، ہر کرکٹر کا
ہمیں کیا پتا، کس رنگ کے پھول پسند تھے اُسے
یا، کونسی مُرکی اُس کے کانوں میں آویزاں تھی
آخری بار، اپنی کار میں بنی گالہ سے نکلتے ہُوے
ہم نے کبھی اُس کا ساتھ دینے کی غلطی نہیں کی
ہم نے تو کبھی اُس کو گالی تک نہیں دی
عاصمہ جہانگیر کے بارے میں ہم کیا جانتے ہیں

(ادریس بابر)

احمدیوں کی عبادت گاہ پر ہجوم کا حملہ، احمدی ایک اور عبادت گاہ سے محروم

قصور سوشل میڈیا اور دیگر ذرائع ابلاغ کی خبروں کے مطابق پنجاب کے شہر قصور کے نواحی گاؤں کھڑ پر میں 84 سالہ پرانی احمدیوں کی عبادت گاہ پر مشتعمل ہجوم نے حملہ کر دیا، بعدازاں پولیس اور انتظامیہ نے عبارت گاہ کو سیل کر دیا۔ سوشل میڈیا پر گردش کرتی ہوئی پریس ریلیز میں جماعت کے ترجمان سلیم الدین نے اس کاروائی پر شدید احتجاج کیا ہے۔ پریس ریلیز کے مطابق جمعرات دو بجے ایک بڑے ہجوم نے عبادت گاہ پر حملہ کر دیا اور دروازے توڑ کر اندر داخل ہوگئے، کیمرے توڑ دئے، ترجمان سلیم الدین کے مطابق اس حوالے سے شہر کی انتظامیہ کو متعدد خطوط بھی ارسال کئے گئے تھے کہ انصاف اور تحفظ کے تقاضے پورے کئے جائیں لیکن کوئی پیش رفت نہیں ہوئی۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ جماعت احمدیہ 1984 میں ضیاءالحق کے بنائے ہوئے ایک قانون کے بعد سے مسلسل عوامی تشدد، اور ماضی و حال کی حکومتوں کی بیحسی کا نشانہ بنی ہوئی ہے، جماعت کی طرف سے یہ مطالبہ کیا جاتا رہا کہ بحیثیت پاکستانی ان کو نہ صرف مکمل تحفظ فراہم کیا جائے بلکہ سیاسی و سماجی انصاف بھی فراہم کیا جائے۔ اس جماعت کے وفات یافتہ بھی قبرستانوں میں حملوں کا نشانہ بنتے رہتے ہیں۔ اس سے پہلے چکوال، کھاریاں، کشمیری محلّہ سیالکوٹ، گھسیٹ پورہ فیصل آباد میں بھی احمدیوں کی عبادت گاہوں پر مشتعمل ہجوم کے حملے ہو چکے ہیں اور ان کو نزراتش بھی کیا جاتا رہا ہے۔

(بشکریہ ڈان)

مہک کماری عرف علیزہ کو عدالت نے تحفظ اطفال یونٹ بھیج دیا

کراچی پاکستان کے صوبہ سندھ کی ایک عدالت نے اس نومسلم نابالغ لڑکی کو تحفظ اطفال یونٹ بھیج دیا ہے جس نے عدالت میں مذہب کی تبدیلی کے بعد دوبارہ اپنے ہندو والدین کے ساتھ جانے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ عدالت نے پولیس کو مہک کماری عرف علیزہ سے شادی کے دعویدار نوجوان اور اس کے مددگاروں پر چائلڈ میرج ایکٹ کی خلاف ورزی کا مقدمہ درج کرنے کا حکم بھی دیا ہے۔

جیکب آباد کی عدالت کے سیکنڈ سول جج غلام علی قناصرو نے منگل کو 'مہک کماری عرف علیزہ کیس' کا تحریری حکم پڑھ کر سنایا جس کے تحت 'مہک کو 48 گھنٹوں میں دارالامان سے بچوں کے تحفظ کے یونٹ منتقل کرنے اور اس کی سکیورٹی یقینی بنانے کا حکم دیا گیا' عدالت نے ڈی آئی جی کو حکم جاری کیا کہ مہک سے شادی کے دعویدار علی رضا سولنگی اور اس کے مددگاروں کے خلاف 24 گھنٹے کے اندر چائلڈ میرج ایکٹ کے تحت مقدمہ درج کیا جائے۔ اس سے قبل علی رضا سولنگی کی درخواست کی سیشن جج کی عدالت میں سماعت ہوئی۔ اس درخواست میں انھوں نے عدالت پر عدم اعتماد کا اظہار کیا اور ان پر جانبداری کا بھی الزام عائد کیا تھا تاہم سیشن جج نے یہ درخواست مسترد کر دی۔ مہک کماری عرف علیزہ کو بکتر بند گاڑی میں لاڑکانہ سے پولیس کے حصار میں عدالت میں پیش کیا گیا، وہ تین گھنٹے عدالت میں رہیں اور کسی کو بھی ان کے قریب جانے کی اجازت نہیں دی گئی۔ گذشتہ سماعت کے موقعے پر مہک کماری نے بیان دیا تھا کہ 'ان کا پہلا بیان جذبات پر مبنی تھا وہ اپنے والدین کے ساتھ جانا چاہتی ہیں۔' اس موقعے پر چانڈ کا میڈیکل یونیورسٹی کا سرٹیفیکیٹ بھی پیش کیا گیا تھا جس کے تحت وہ 18 سال سے کم عمر ہیں۔' عدالت نے مہک کے بیان کے بعد فیصلہ محفوظ کر لیا تھا اور انھیں دارالامان لاڑکانہ بھیج دیا تھا۔ اس مقدمے کے بعد سوشل میڈیا پر ایک ویڈیو سامنے آئی جس میں مہک کماری نے بتایا کہ 'انھوں نے شکارپور میں درگاہ امروٹ شریف میں مذہب تبدیل کر کے علی رضا سے شادی کر لی ہے اور والد کے الزامات غلط ہیں' انھوں نے عدالت میں بھی یہی بیان دیا تھا۔ مہک کماری کے وکیل نے موقف اختیار کیا کہ لڑکی نوعمر ہے جس کے بعد عدالت نے چانڈ کا میڈیکل یونیورسٹی کو حکم جاری کیا کہ لڑکی کا طبی معائنہ کر کے رپورٹ پیش کی جائے، بورڈ نے تصدیق کی کہ لڑکی کی عمر 15 سے 16 سال کے درمیان ہے، جو سندھ چائلڈ میرج ایکٹ کی خلاف ورزی ہے۔ عدالتی فیصلے میں مہک کماری کے مذہب کے حوالے سے کوئی حکم جاری نہیں کیا گیا ہے، تاہم یہ حکم دیا گیا ہے کہ علی رضا اور دیگر کے خلاف دائر مقدمے میں لڑکی کو سکیورٹی کے ساتھ عدالت میں پیش کیا جائے۔ یاد رہے کہ سندھ میں ہندو کمیونٹی کی شکایت رہی ہے کہ ان کی نوعمر لڑکیوں کو مبینہ طور پر اغوا کرنے کے بعد جبری مذہب تبدیل کیا جاتا ہے اور پھر ان سے شادی کر لی جاتی ہے۔ صوبائی اور قومی اسمبلی میں ہندو کمیونٹی سے تعلق رکھنے والے اراکین بھی اس مسئلے پر احتجاج کرتے آئے ہیں۔ حکومت سندھ نے ایسے واقعات کی روک تھام کے لیے مذہب کی جبری تبدیلی کی روک تھام کا بل اسمبلی سے منظور کیا تھا لیکن بعد میں گورنر کے اعتراض پر اس کو روک دیا گیا اس کے بعد سے اس پر کوئی پیش رفت نہیں ہوسکی ہے۔

(بشکریہ بی بی سی اردو)

فلاحی مرکز میں لڑکی کی پراسرار موت، تحقیقات کا مطالبہ

لاہور: مختلف فلاحی تنظیموں میں پرورش پانے والی لڑکی اقرا کائنات کی پُراسرار موت ایک معمہ بن گئی ہے جس کے بعد کاشانہ لاہور کی سابق سپرنٹنڈنٹ نے معاملے کی تحقیقات کا مطالبہ کر دیا۔ ایک طرف پولیس کا ماننا ہے کہ لڑکی نے خودکشی کی جبکہ کاشانہ لاہور کی سابق سپرنٹنڈنٹ اس بات کو 'من گھڑت' قرار دیتی ہیں۔

5 فروری کو انتقال کرنے والی 23 سالہ اقرا کائنات کی شادی ایک برس قبل گرین ٹاؤن کے رہائشی عابد ثنا اللہ سے ہوئی تھی۔ اقرا کائنات کی موت اس وقت توجہ مرکز بنی جب دو روز قبل ایدھی سینٹر نے ان کا ڈیتھ سرٹیفکیٹ جاری کیا، جس میں لکھا گیا تھا کہ ان کا انتقال بیماری کی وجہ سے ہوا جبکہ پولیس کو شبہ ہے کہ لڑکی نے خودکشی کی تھی۔ ایدھی سینٹر لاہور کا کہنا تھا کہ اقرا کائنات، ٹاؤن شپ میں واقع ایدھی ہوم میں داخل ہوئی تھیں اور وہ اس وقت ایک بیماری کا شکار تھیں۔ دوسری جانب پولیس عہدیدار نے دعویٰ کیا کہ لڑکی نے اپنے شوہر اور سسرالیوں کے ساتھ گھریلو مسائل کے باعث چند روز قبل 'کیمیکل یا تیزاب' پیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ اقرا کو ہسپتال لے جایا گیا تھا جہاں بروقت علاج کی وجہ سے وہ بچ گئی تھیں جس کے بعد انہیں ہسپتال سے ڈسچارج کر دیا گیا تھا۔ پولیس عہدیدار نے کہا کہ اقرا نے اپنے سسرال واپس جانے سے انکار کر دیا تھا لہٰذا انہیں ایدھی ہوم بھیج دیا گیا تھا جہاں وہ انتقال کر گئیں۔ اقرا کی موت منظر عام پر آنے کے بعد فلاحی ادارے کاشانہ لاہور کی سابق کیئر ٹیکر افشاں لطیف نے لڑکی کی اچانک موت کی تحقیقات کا مطالبہ کیا ہے۔

(بشکریہ ڈان)

☆انسانی حقوق کی خلاف ورزی کے واقعات کی رپورٹ

1-وقوعہ کیا تھا:			
2-وقوعہ کب ہوا؟	سال	مہینہ	تاریخ
3-وقوعہ کہاں ہوا؟	گاؤں	محلّہ	
	ڈاک خانہ	تحصیل وضلع	
4- کیا وقوعہ کا مقامی رسم ورواج سے تعلق ہے	ہاں	نہیں	
5-وقوعہ کیسے ہوا؟ (مختصر تفصیل)			
6-وقوعہ کا ماضی کے کسی دوسرے واقعہ سے تعلق اوراس کی مختصر تفصیل			
7-وقوعہ کا شکار ہونے والے کے کوائف	نام	ولد/زوجہ	پیشہ

8-وقوعہ سے متاثر ہونے والے کے معاشی/سماجی حیثیت	بچہ/بچی	عورت/مرد	غریب/ان پڑھ	بوڑھا/بوڑھی	بیمار
	مخالف سیاسی کارکن	سماجی کارکن	اقلیتی فرقے کا رکن	دیگر (تخصیص کریں)	

9-وقوعہ میں ملوث اشخاص کے کوائف:	نام	ولدیت/زوجیت	عہدہ	پیشہ
	-1			
	-2			
	-3			

10-وقوعہ کے ذمہ دار فرد/افراد کی معاشی/سماجی حیثیت	بڑا جاگیردار/زمیندار/بہت امیر آدمی	متوسط طبقے سے/غریب آدمی	بااثر صلاحیت/سیاسی اثرورسوخ

11-وقوعہ کی پشت پناہی کرنے والے عناصر کے کوائف	نام اور ولدیت	عہدہ	پیشہ	پارٹی/ادارہ
	-1			
	-2			
	-3			

12-وقوعہ سے متعلقہ فریقین گواہان وغیر جانبدار افراد کے کوائف وموقف

وقوعہ سے تعلق	نام اور ولدیت	وقوعہ سے متاثر ہونے والے کے ساتھ تعلق/رشتہ داری	عہدہ	موقف
واقعہ سے متاثر				
واقعہ کا ذمہ دار				
چشم دید گواہ				
غیر جانبدار/پڑوسی				

13-اس قسم کے واقعات علاقہ میں کس قدر ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں	بہت زیادہ	اکثر اوقات	کبھی کبھار	کبھی نہیں
14-اس قسم کے واقعات اندازاً کتنی تعداد میں ہوتے ہیں	روزانہ	ماہانہ	سالانہ	
15-وقوعہ کے بارے میں HRCP نامہ نگار/اس کے ساتھ چھان بین کرنے والے/والوں کی رائے				
رپورٹ بھیجنے والے کے کوائف:	نام	پتہ: گاؤں/محلّہ	شہر/ضلع	

انسانی حقوق کے عالمی منشور کی کس شق کی خلاف ورزی ہوئی؟	دستخط: ....
	تاریخ: ....

نوٹ: اگر تفصیلات فارم پر نہ آسکیں تو نمبر لکھ کر سادے کاغذ پر تفصیل درج کریں

☆تمام ساتھی جو انسانی حقوق کے حوالے سے رپورٹیں بھیجتے ہیں آئندہ اس فارم کی فوٹو کاپی پر کوائف پُر کرکے بھیجیں۔

Human Rights Commission of Pakistan
جہدِ حق
Monthly JEHD-E-HAQ

عزیز رُکن!

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کی انتخابی کمیٹی نے 2020 سے 2023 تک کے عرصے کے لیے ایچ آر سی پی کی کونسل کے 30 اراکین کے انتخابی شیڈول کا اعلان کیا ہے۔

1- ایسے اراکین جن کے ذمہ کوئی واجبات نہیں وہ 26 فروری سے 13 مارچ 2020 تک، شام 4 بجے تک مجوزہ فارموں پر اپنے کاغذات نامزدگی جمع کروا سکتے ہیں۔ کاغذات نامزدگی ایچ آر سی پی کے مرکزی دفتر 107 ٹیپو بلاک نیو گارڈن ٹاؤن لاہور۔ 54600 میں الیکشن کمیٹی کے ساتھ رابطہ کار آفیسر محترمہ طاہرہ حبیب کو موصول ہونے چاہئیں۔ مذکورہ تاریخ اور وقت کے بعد کاغذات نامزدگی قبول نہیں کیے جائیں گے۔ کاغذات نامزدگی رجسٹرڈ پوسٹ/ یو ایم ایس/کوریئر کے ذریعے بھیجے جا سکتے ہیں تاکہ وہ بروقت مل جائیں۔ کاغذات نامزدگی کی نقل 35883582(042)(92) پر فیکس کی جا سکتی ہے۔

(جن اراکین کے واجبات ادا نہیں ہوئے وہ جمعہ 28 فروری 2020، 4 بجے تک اپنے واجبات ادا کر سکتے ہیں اور اس طرح ووٹ ڈالنے اور کاغذات نامزدگی جمع کروانے کے اہل بن سکتے ہیں۔)

2- کاغذات نامزدگی کی جانچ پڑتال بروز پیر، 16 مارچ 2020 کو ایچ آر سی پی کے مرکزی دفتر ہوگی۔ اُسی دن جانچ پڑتال کے بعد امیدواروں کی عارضی فہرست کا اعلان ہوگا۔

3- کاغذات کی نامزدگی کی قبولیت یا استرداد کے خلاف اگر کوئی اپیل ہوئی تو 19 مارچ 2020 بروز جمعرات 11 بجے سے 3 بجے تک ایچ آر سی پی کے مرکزی دفتر میں اُن کی سماعت اور تصفیہ ہوگا۔ اس کے فوری بعد امیدواروں کی حتمی فہرست مرتب ہوگی۔

4- امیدواروں کی حتمی فہرست کی تیاری کے فوری بعد شہر سے باہر مقیم اراکین کو پوسٹل بیلٹ بھیجے جائیں گے۔ ایسے مقامی اراکین جو پوسٹل بیلٹ کی سہولت لینا چاہتے ہیں وہ 10 اپریل 2020 تک (صبح 11 بجے سے شام 4 بجے تک) ایچ آر سی پی دفتر میں کمیٹی سے لے سکتے ہیں۔ تمام پوسٹل بیلٹ 14 اپریل 2020 بروز منگل شام 4 بجے تک کمیٹی کو وصول ہونے یا ای میل ہونے چاہئیں۔

5- پولنگ بروز اتوار، 19 اپریل 2020 کو صبح 09 بجے سے دوپہر 02 بجے تک ہوگی۔

براہ مہربانی نوٹ کریں کہ:

ایچ آر سی پی کے اراکین جن کے واجبات ادا ہیں صرف وہ ہی کسی امیدوار کا نام تجویز یا کسی امیدوار کی نامزدگی کی تائید کر سکتے ہیں۔ امیدوار کا ایچ آر سی پی کا رکن ہونا ضروری ہے۔ وہ رکن اہل ہے جو ''چھ ماہ سے زائد عرصہ سے ایچ آر سی پی کا رکن ہے، اُس کے ذمہ رکنیت کے واجبات باقی نہیں اور نہ ہی اُس کی رکنیت معطل ہے''۔

(افتخار بٹ)
چیئر پرسن
ایچ آر سی پی انتخابی کمیٹی

پبلشر: ندیم فاضل: پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق
''ایوان جمہور'' 107۔ ٹیپو بلاک، نیوگارڈن ٹائون، لاہور
فون : 35838341-35864994 فیکس : 35883582
ای میل hrcp@hrcp-web.org ویب سائٹ : www.hrcp-web.org
پرنٹر: مکتبہ جدیدپریس، 14ایمپرس، لاہور Registered No. LRL-15